

الحمد لله

بسم الله الرحمن الرحيم

آلہ

رئیس امر وہی

پرنسپل ڈاکٹر فاروق عقیل عباس

ناشر

اداره ذہنِ حسدید

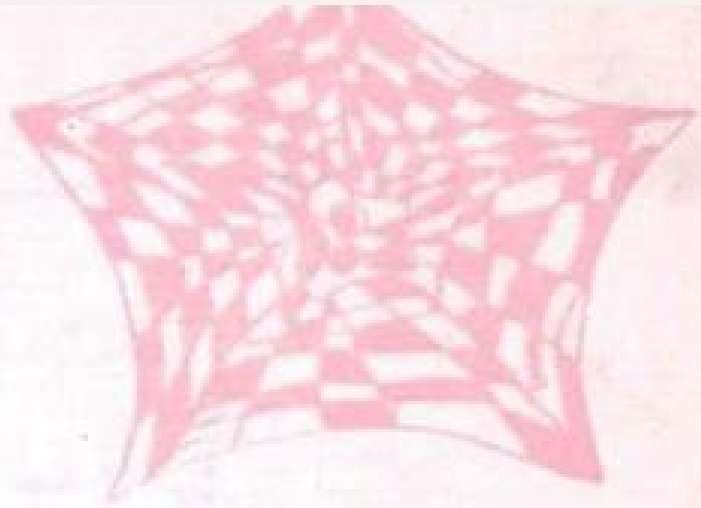
مانک جی اسٹریٹ، گارڈن ایسٹ کراچی



ترجمہ: شکیل عادل زادہ

مطبعہ جادو پوسٹر، کراچی

مکاتیب: عتیق الرحمن



میں پہلے جنگ عظیم کے آغاز میں
پیدا ہوا۔ دوسری جنگ عظیم میں
میری شاعری پروانے چڑھی اور
تیسری جنگ عظیم؟

تاریخ ولادت: ۲۷ ستمبر ۱۹۱۸ء

غزلیں

۱۹۶۳ء — ۱۹۷۶ء



دیا رہنشاہِ بقیۃ ادا سے آیا ہوں
 میں اک فقیر ہوں شہرِ بے آیا ہوں
 جہانِ نو کی طلب ہے اور اس خرابے میں
 سوادِ اصطرخ و نینوا سے آیا ہوں
 شبِ سیاہِ حنا کی سموم و صرصر تک
 نگار خانہ صبح و صبا سے آیا ہوں
 ابھی کہاں ہے مجھے نوحہ و نوا کا شعور
 کہ ایک ناحیہ بے نوا سے آیا ہوں
 مرے رموز کا عرفاں کسے نصیب کہ میں
 سروشِ رُوحِ ازل ہوں سما سے آیا ہوں
 دُک رہی ہے زمان و مکاں کی پشانی
 ستارۂ ابدی ہوں حسلا سے آیا ہوں
 تمہارے غنچے و گل سے غرض نہیں مجھ کو
 ادھر اشارۂ بادِ صبا سے آیا ہوں



دلِ عنہم دو جہاں میں ڈوب گیا
بے کراں بے کراں میں ڈوب گیا
آسماں سے اُبھر کے نجسِ سحر
وُسعتِ آسماں میں ڈوب گیا
قُلزِمِ بے کنا حِلوۂ درنگ
دِیدۂ خوں فشاں میں ڈوب گیا
اُف یہ ظلمت کہ ہر نشانِ اُفق!
اُفق بے نشاں میں ڈوب گیا
اَزَلِ نافرِنا پذیرِ آخِر
اَبَدِ حبا وداں میں ڈوب گیا
میں زماں تھانماں میں غرق ہوا
میں مکاں تھامکاں میں ڈوب گیا
جانِ جاناں! ترا سفسینہ حُسن
میرے دریائے جاں میں ڈوب گیا



خاموش زندگی جو بسر کر رہے ہیں ہم
گہرے سمندروں میں سفر کر رہے ہیں ہم
صدیوں تک اہتمام شبِ بحر میں رہے
صدیوں سے انتظارِ بحر کر رہے ہیں ہم
ذرے کے زخمِ دل پہ توحب کئے بغیر
دُرمانِ دردِ شمس و مَست کر رہے ہیں ہم
ہر چہند نازِ حسن پہ غالب نہ آسکے
کچھ اور معرکے ہیں جو سر کر رہے ہیں ہم
تخمینہ حوادثِ طوفاں کے ساتھ ساتھ
بطنِ صدف میں وزنِ گہر کر رہے ہیں ہم
صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے ایک دن
یہ دن تڑپ تڑپ کے بسر کر رہے ہیں ہم
کوئی پکارتا ہے ہر اک حادثے کے ساتھ
تخلیقِ کائناتِ دگر کر رہے ہیں ہم

اے عرصہ طلب کے سبک سیر قافلو!
 ٹھہرو کہ نظمِ راہ گزر کر رہے ہیں ہم
 لکھ لکھ کے اشکِ دلوں سے حکایاتِ زندگی
 آرائشِ کتابِ بشر کر رہے ہیں ہم
 ہم اپنی زندگی تو بسر کر چکے رئیس
 یہ کس کی زیست ہے جو بسر کر رہے ہیں ہم



یہ آوازیں کبھی مطرب بنیں گی
 یہی مطرب کبھی آواز ہونگے
 ہماری داستانِ زندگی پر
 کئی قصے اثر انداز ہوں گے
 کہاں ہم اختتامِ فنم کے بعد
 اگر ہوں گے تو صرف آواز ہونگے



یہ فقط شورِ شِس ہوا تو نہیں
کوئی مجھ کو پکارتا تو نہیں
بول اے اخترِ غنودہ صُبح
کوئی راتوں کو جاگتا تو نہیں
سُن کہ یہ مند و جزرِ موجِ بحر
ماجر اؤں کا ماجرا تو نہیں
ذہن پر ایک کھردری سی لکیر
کھنکھوڑے کا راستا تو نہیں
ریت پر چڑھ رہی ہے ریت کی تہ
بابل و مصر و نینوا تو نہیں
نوک ہر خار و خس ہے خوں آلود
رُوح صحرایہ نہ پا تو نہیں
تیرے خیمِ حسیں میں خوابیدہ
باغِ جنت کا آژدھا تو نہیں

یہ کیسا گیت ہے اے نئے نوازِ عالم ہو !
 کتنے سے راگ کے بدلے ٹپک رہا ہے لہو
 بہارِ صبح کے نغمہ گروں کو کیا معلوم ؟
 گذر گیا گل دریاں پہ کیا عذابِ نمو ؟
 اگر نقابِ اُلٹ دے تو کیا قیامت ہو ؟
 وہ جانِ گل کہ کبھی رنگ ہے کبھی خوشبو
 مئے نشاطِ اُنڈیلی تھی میں نے ساغریں
 کہاں سے آئی یہ زہرِ عجم حیات کی بو
 ہوائے صبح نہ جانے کہاں سے آئی ہے
 مچل رہی ہے فضا میں اک اجنبی خوشبو ؟
 جنوں جو وجد میں آتا ہے نعرہ ہو سے
 عجب نہیں کہ جنوں ہو بس ایک نعرہ ہو
 یہ حادثات شب و روز بے سبب تو نہیں
 بدل رہا ہے کوئی خوابِ ناز میں پہلو !

تمہیں شکستہ دلوں کا خیال ہی تو نہیں
 خیال ہو تو کرم کے ہزار ہا پہلو
 متاعِ غم ہے کسی کو بہت عزیز اے دل
 بہ احتیاط محبت میں صرت کر آنسو
 کسی کی بات میں اُن کے سکوت میں اعجاز
 کسی کے لطف میں اُن کے گریز میں جادو
 بہت فخل ہوں تری آستینِ ناز سے میں
 کہ جوشِ غم تو وہی ہے مگر کہاں آنسو؟
 سزائے ہجر لرزتا ہے جس سے قلبِ حیات
 مجھے قبولِ بشرطیکہ اُس کا اجر ہو تو
 شگفتگی کو ٹولانے سردگی پائی
 مسرتوں کو، نچوڑا ٹپک پڑے آنسو



زمیں پر روشنی ہی روشنی ہے
فضا میں اک کرن گم ہو گئی ہے
میں تنہا جا رہا ہوں سوئے منزل
یہ پرچھائیں کہاں سے آرہی ہے؟
یہ شام اور روشنی کی یہ قطاریں
اُداسی اور گہری ہو گئی ہے
عروجِ ماہ ہے اور مقبُروں پر
ابد کی چساندنی چھٹکی ہوئی ہے
اُبھارائے موجِ طوفاں خیرِ مجھ کو
یہ کشتی ریت میں ڈوبی ہوئی ہے
ہوا سے ہے کلی جُناں سرشاخ
یہ کن ہاتھوں میں نیزے کی اُنی ہے
گرا ہے شاخِ گل سے ایک پتہ
کسی نے کیا مجھے آواز دی ہے



میں اپنی سعی طلب کی تلاش میں گم ہوں
یہ وہ مقام نظر ہے جہاں حسرت نہ جنوں
سما گئی ہے نظریں یہ کس کی وضع جمیل؟
بدل رہا ہے زمانہ لباس گوناگوں!
نمو کا جوش ہوا صرغ رنگ و بُورنہ
عجب نہ تھا کہ اُلتا زمیں سے چشمہ خوں؟
یہ کیا کہ چہرہ حق جب بھی بے نقاب ہوا؟
فسوں زدوں کو نظر آئے خدو خالِ فسوں
ستارہ سحر و شمع نیم شب کی قسم
یہاں فروغِ بُروں ہے بعتِ درِ سُوزِ دروں
یہ نازِ حُسن ہے یا امتحانِ عشقِ لے دوست!
کہ تیرے ساتھ رہوں اور تجھ کو پا نہ سکوں
ریاضِ دُہرے لے دوست۔ سرسری نہ گزر
روشِ روش ہے تخیرِ فروش و بُوقلموں

ہر ایک گل کی جبین پر لکھا ہوا ہے کیا؟
 ہر ایک غنچے کے دل میں کھدا ہوا ہے کیوں؟
 بس ایک آگ ہے جو حُسن میں ہے گرمی ناز
 مزاجِ عشق میں ٹھہرے اگر تو سوزِ دروں
 رئیسِ یاد ہیں لاکھوں حکایتیں لیکن
 کوئی سُنے تو سناؤں کوئی کہے تو کہوں



ہر گام پہ سجدہ کراے لغزشِ مستانہ
 مستی میں بھی واجب ہیں آدابِ صنم خانہ
 یہ شمع کی محتاجی . تو ہیں محبت ہے
 جلتا ہے تو خود جل جا اے ہمتِ پروانہ
 ہر روز نئے کعبے بن بن کے بگڑتے ہیں
 جاری ہے رئیسِ اب تک تعمیرِ صنم خانہ



گرد میں اُٹ رہے ہیں احساسات
دھیمے دھیمے برس رہی ہے رات
جل اُٹھا اک چراغِ شام تو کیا
بجھ گئے بے شمار امکانات
ہائے ماضی کی دل نشیں یادیں
ہائے خونخوار بھیڑیوں کی برات
چیونٹیاں جیسے ذہن پر رنگیں!
اُن یہ میسرے لطیف احساسات
بھوت بن کر مجھے ڈراتی ہیں
میری نا آفریدہ تخلیقات
کون آیا میرے تعاقب میں
وہی منکر و خیال کے جنات
دفعۃً کس نے قہقہہ مارا؟
یہ اندھیرے میں کون ہے مرے سات

صُـرُـرِ شَبِ کَہـاں کہ پتوں میں
 کربِ عَنـم سے کراہتی ہے حیات
 مجھ سے مجھ کو نہ چھین کر لے جائے
 شاہِ نِزادِی کِشورِ ظلمات
 صُبْحِ جاگا تو یاد بھی نہ رہا
 رات تھی چاندنی کہ چاندنی رات
 تودہ ریگ و نخل خشک چنار
 چھپ گئی کس کی اُڈ میں برسات
 یہ درخت کہن لسانِ الغیب
 اور یہ شاخ خشک شاخِ نبات
 کیا یہی ہے رئیسِ آشفته؟
 اُڑ کے آئے ہیں دُور سے ذرات

مجھ کو ہر اُجسُن ہیں ہم لوگ
 اپنے میں جلا وطن ہیں ہم لوگ
 جو سبزۂ دُبرگ سے ہو محسوس
 وہ شبنم بے کفن ہیں ہم لوگ
 اے اپنی ہی حسلوتوں میں مجھ کو
 شاید تری انجمن ہس ہم لوگ
 خود اپنے شعورِ جاں سے ملبوس
 بے پیکر و پیرہن ہیں ہم لوگ
 اے عالمِ رنگِ رنگِ تخلیق
 آزرۂ جانِ دتن ہیں ہم لوگ
 خود اپنے وجود میں مقید
 پابستہ بے رسن ہیں ہم لوگ
 ہر ذرے میں سامع ہے بیدار
 کس شخص سے ہم سخن ہیں ہم لوگ

ہر عہد کی شہریت سے محروم
ہر شہر میں بے وطن ہیں ہم لوگ



گم ہے تنہائیوں میں شام خزاں
وہ مشینیں اُگل رہی ہیں دُھواں
کوئی سرما زدہ پرندہ صبح
آشیاں کی تلاش میں ہر رواں
ایک طیارہ حنلا پرواز
افتخار بے نشان کی سمت رواں
کتنی تاریک ہے زمین کی جبین
گننا دُھندلا ہے آسمان کا سماں

گماں نہ کر کہ زمانہ کبھی نسیا ہوگا
 یہی جو ہے یہی ہوگا یہی رُہا ہوگا
 تو اپنے جِسلوۂ آوارہ کو تلاش نہ کر
 مری نگاہ کے سانچے میں ڈھل گیا ہوگا
 صبا چمن سے نوید بہار لائی ہے
 کسی کھلی کا جگر خُون ہو گیا ہوگا
 ابھی سے عشق کو یہ شکوۂ تغافلِ حُسن
 ابھی تو اس کی توجہ کا سامنا ہوگا
 مری طرح شبِ فرقت میں اُس کو نیند کہاں
 میں سُورما ہوں تو سوچوں وہ سُورما ہوگا
 کتابِ شوق کو اے دوست! ناتمام نہ کہہ
 کوئی ورقِ ترے ہاتھوں سے گر گیا ہوگا
 شکستِ نئے ہے قیامتِ مگر یہ سُوجِ ریش
 کہ نئے نواز پہ کیا کچھ گزر گیا ہوگا



اپنے کو تلاش کر رہا ہوں
اپنی ہی طلب سے ڈر رہا ہوں
تم لوگ ہو آندھیوں کی زد میں
میں قحطِ ہوا سے مر رہا ہوں
خود اپنے ہی قلبِ خونچکاں میں
خنجر کی طرح اتر رہا ہوں
اے شہرِ خیال کے مسافر!
کیا میں ترا ہم سفر رہا ہوں؟
دیوارِ پر دائرے ہیں کیسے
یہ کون ہے کس سے ڈر رہا ہوں؟
میں شبنمِ چشمِ تر سے اے صبح
کل رات بھی تر بہتر رہا ہوں
اک شخص سے تلخ کام ہو کر
ہر شخص سے پیار کر رہا ہوں

اے دجلہ خوں ! ذرا اٹھھرنا
 اس راہ سے میں گذر رہا ہوں
 سرِ یاد کہ زیرِ سایہ گل
 میں زہرِ خنداں سے مر رہا ہوں



دل کو احساس کی شدت نے کہیں کا نہ رکھا
 خود محبت کو محبت نے کہیں کا نہ رکھا
 بوئے گل ! اب تجھے احساس ہوا بھی کہ تجھے
 تیری آوارہ طبیعت نے کہیں کا نہ رکھا
 ہم کو ہے اُن سے مردّت کی توقع اب بھی
 گو ہمیں اُن کی مردّت نے کہیں کا نہ رکھا





ہم نے اے دوست! رفاقت سے بھلا کیا پایا
 جوئے بے آب ہے تو میں شجر بے سایا
 درد جو عقل کے اسراف سے بچ رہتا ہے
 عشق کے محظ زدوں کا ہے وہی سرمایہ
 دیدہ دل سے گذرتا ہے کوئی شخص اکثر
 جیسے آہوئے رمیدہ کا گریزاں سایا
 کل فقط گیسوئے برہم تھے نشانِ تشویش
 آج دیکھا تو اُسے اور پریشاں پایا

میں ہوں خود اپنی ہی خاکِ تر جاں میں مدفون
 جس طرح دفنِ حنر بے میں کوئی سرمایہ





ہزار رنگ کے جلوؤں میں گھبر گیا ہوں میں
یہ کس عذابِ تماشا میں مبتلا ہوں میں
حدودِ مطرب و محفل سے ماورا ہوں میں
جو گونجتی ہے پہاڑوں میں وہ صدا ہوں میں
مرے قریب نہ آئے بہشتِ بے خبری!
خود آگہی کے جہنم میں چل رہا ہوں میں
یہ بے حساب دُھندلے یہ بے شمار نجوم
خرابِ ظلمت و آذرِ ضیا ہوں میں
رہ طلب میں مرے پیشِ رُوح چھوڑ گئے
برہنہ پا انہیں کانتوں پہ چل رہا ہوں میں
فروغِ صبح سے کہہ دو کہ انتظار کرے
چراغِ شام کے سانچے میں ڈھل رہا ہوں میں



غمِ سراق کا تنہا علاج دُوری ہے
دلِ حُزنیں یہ کنارہ کشی ضروری ہے
جمالِ دوست کی جانب کشش ہے عین شعور
رہا گریز تو وہ جذبِ لاشعوری ہے
فروغِ حُسن سے ہو کر گذر رہا ہوں میں
ہر ایک لمحہ دیدِ ایک سالِ نوری ہے
ابھی سے مہربان لب ہونہ اے گلِ نوخیز!
ابھی شگفتنِ غنچہ کی بات ادھوری ہے
ابھی سکوں ہے ابھی قلمِ حوادث کو
عبور کر کہ یہ دورِ سکوں عبوری ہے
غمِ سراق میں اب تک نصیب ہونہ سکا
نشاطِ وصل میں جو کربِ ناصبوری ہے
شیمِ گل! قفسِ گل سے کر بھی جا پرواز
نُبکِ روی ہو تو عزمِ سفر ضروری ہے

اُبل رہا ہے اندھیروں سے سیلِ جلوہ و رنگ
 کھُلا کہ ظلمتِ غم کا مزاج نوری ہے
 یہ معجزہ کہ ہر اک عہد کی ہوئی تکمیل
 یہ سانحہ کہ ہر اک داستاں اُدھوری ہے



عشق بے پرہیز ہے یوں ہی سہی
 حُسن کم آمیز ہے یوں ہی سہی
 ہم نشاط اندوز ہیں؟ ہمیں گے ضرور
 ے۔ نشاط انگیز ہے۔ یوں ہی سہی
 ناصح ناداں کسی کا التفات
 شہد زہر آمیز ہے۔ یوں ہی سہی





رُقصاں ہے مُنڈیر پر کبوتر
دیوار سی گر رہی ہے دل پر
ٹہنی پہ خموش اکٹ پرندہ
ماضی کے اُلٹ رہا ہے دفتر
اُڑتے ہیں ہوا کی سمت ذرے
یادوں کے چلے ہیں لاؤشکر
پیڑوں کے گھنے مہیب سائے
یہ کون ہے مجھ پہ حائلہ آور؟
پتوں میں جھپک رہی ہیں آنکھیں
شاخوں پہ چمک رہے ہیں خنجر
یہ کون مترب آ رہا ہے
خود میرے ہی نقش پا پہ چل کر
یہ کون سمار رہا ہے مجھ میں
بیٹھا ہوا چپ مری برابر



ڈھل گئی ہستی دل یوں تری رعنائی میں
مادہ جیسے نکھر جائے تو انائی میں
پہلے منزل پس منزل پس منزل اور پھر
راستے ڈوب گئے عالم تنہائی میں
گا ہے گا ہے کوئی جگنو سا چمک اٹھتا ہے
میرے ظلمت کدہ انجمن آرائی میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں خود اپنی بصارت کی حدود
کھو گئی ہیں مری نظریں مری بینائی میں
اُن سے محفل میں ملاقات بھی کم تھی نہ مگر
اُف وہ آداب جو برتے گئے تنہائی میں
یوں لگا جیسے کہ بل کھا کے دھنک ٹوٹ گئی
اُس نے وقفہ جو لیا ناز سے انگریزانی میں
کس نے دیکھے ہیں تری رُوح کے رستے ہوئے زخم
کون اُترا ہے ترے حسن کی گہرائی میں؟



کہیں سے سازِ شکستہ کی پھر صدا آئی
بہت دنوں میں اک آواز آشنا آئی
چلی کچھ آج اس انداز سے نسیم بہار
کہ بار بار کسی کی صدائے پا آئی
شروعِ عشق میں اُن سے ہی کچھ حجاب نہ تھا
کبھی کبھی تو خود اپنے سے بھی حیا آئی
ہم اپنے حال پریشاں پہ بار بار روئے
اور اُس کے بعد منہی ہم کو بار بار آئی
عجیب لطف ہوا اُن کی یاد سے محسوس
کہ جیسے دل کے درتچے کھلے ہوا آئی
رہ حیات میں کانٹے بکھیرنے والے
حیات بھی ترے دُرتک برس نہ پآ آئی
چمن سے پہلے تو اک سیلِ آتشیں گذرا
پھر اُس کے بعد بستی ہوئی گھٹا آئی



مل جائے شناسا نہ کوئی راہ طلب میں
کچھ دیر کو چھپ جائیے ٹیلوں کے عقب میں
اک حُور سے ہوتی ہے ملاقات سہر شام
اک رُوح ڈراتی ہے مجھے آخر شب میں
میں وقت گریزاں کے تعاقب میں رواں ہوں
اور وقت گریزاں ہے رواں میرے عقب میں
انفاس سحر لاکھ سہی ترجمہ شوق
کچھ اور بھی کہنا ہے مجھے لہجہ شب میں
کیوں آج شب ہجر بہلتا ہی نہیں دل
شاید وہ پریشاں ہے کسی بزم طرب میں



فضاے بھر پہ گہرا سُکوت طاری ہے
 یہ کس تلاطمِ بینہاں کی پردہ داری ہے
 ادھر غمِ رورِ اُدھر نازِ خاکِ ساری ہے
 یہ کھیل کتنے تکلف کے ساتھ جاری ہے
 زوالِ گل کا نہ غم کھا کہ رُوحِ گلشن پر
 نئی بہار کا اِلہامِ راز طاری ہے
 ابھی نئی سحرِ دلوں کا نہ انتظار کرو
 ابھی نئے اُنقوں کی تلاش جاری ہے
 جنوں نے تابِ دُرِ دوست رہ نہائی کی
 یہ بزمِ خاص ہے اب آگہی کی باری ہے
 ہر ایک ساز کی ہمت ہے سحرِ نغمہ رنیں
 مگر وہ چپے نہ کہ مطرب کی سحر کاری ہے



یاربِ عنہم عشق کیا بلا ہے
 ہر شخص کا تجربہ نیا ہے
 اب آپ کی آنکھ میں ہیں آنسو
 سیلاب کا رُنج بدل گیا ہے
 کم ذوق ہیں طالبانِ نغمہ
 مطرب کا سکوت بھی صدا ہے
 شاید اُسے عشق بھی نہ سمجھے
 جس کرب میں عفتل مبتلا ہے
 میں اور شکایتِ زمانہ
 اک شخص کا ذکر چھڑ گیا ہے
 یہ زدِ پیہ ہے کون مریضِ وحشی
 صیاد کا دل دھڑک رہا ہے
 قانع ہوں رئیسِ دردمے پر
 یاروں کی بساط اور کیا ہے

قلبِ خضر سے نہ مجھے راستا ملا
 میں خود ہی بڑھ کے قافلے والوں سے جا ملا
 وہ بھی نہ میرے سوزِ دروں کو سمجھ سکے
 اک عمر جن کے ساتھ رہا میں گھلا ملا
 سنتے تھے ہم کہ عشق ہے اک حُسنِ اتفاق
 دیکھا تو واقعات کا اک سلسلا ملا
 جب بھی ملے ہم اُس سے کنارہ کشی کے بعد
 ظالم کسی خیال میں ڈوبا ہوا ملا
 ہر شخص نے کسی نہ کسی سے نباہ دی
 ڈھونڈا تو کوئی بھی نہ ہمیں بے وفا ملا
 ہم اپنا حق کسی سے بہ قوت نہ لے سکے
 جو کچھ یہاں ملا بہ طریقِ عطا ملا
 بخشی گئی حیاتِ اجل آشنائیں
 اب حیاتِ زہر ملا یا ہوا ملا



یہ شامِ غم ہی نویدِ فروغِ جاں تو نہیں
 پس غبارِ کوئی تازہ کارِ دواں تو نہیں
 تلاشِ دوست بہانہ پئے جہاں تو نہیں
 جنوں خود اپنے لئے ہی رِواں دواں تو نہیں
 ہوائے تندِ حوادث اُڑا رہی ہے جے
 وہ مشتِ خاک ہی سرمایہ جہاں تو نہیں
 شگافِ سنگ سے اُبھرا ہے لالہ کہسار
 یہ کوہِ کن کا کوئی زخمِ خونچکاں تو نہیں
 تڑپ رہی ہے سحابِ بہاریں بجلی
 یہ انتقامِ طیورِ تپیدہ جساں تو نہیں





جوئی دُنیا ابھی تخلیق کی منزل میں ہے
 اس کا کربِ آفرینش بھی ہمارے دل میں ہے
 میں حضورِ دوست فکرِ دوش و فردا کیا کروں؟
 یہ وہ لمحہ ہے جو ماضی میں نہ مستقبل میں ہے
 ریگِ ساحل سے اُلجھ کر کہہ رہی ہو موجِ بحر
 سینہ طوفاں کی شورش بھی دلِ ساحل میں ہے
 اے سکوتِ جبر! حرفِ شوق کے محرمِ بہت
 جو ہرے لب پر نہیں وہ دوسروں کے دل میں ہے
 عشق سے جزِ شانہ و گیسو جنوں کو کیا ملا
 عقل ہی مشکل کشا ہے عقل ہی مشکل میں ہے





کتنے جذبات نمایاں نہیں ہوئے پاتے
 اشک بن جاتے ہیں طوفاں نہیں ہونے پاتے
 ہم جو اے صرصرِ غم تجھ سے اُلجھ جاتے ہیں
 گیسوئے دوست پریشاں نہیں ہونے پاتے
 کتنے غنچے ہیں کہ بن جاتے ہیں تفتیرِ بہار
 کتنے گل ہیں کہ گلستاں نہیں ہونے پاتے
 ہائے یہ رابطہ خاص کہ اک شخص سے ہم
 لاکھ بچتے ہیں گریزاں نہیں ہونے پاتے
 گردِ بن کر مرے دامن سے لپٹ جاتے ہیں
 وہ بیاہاں جو بیاہاں نہیں ہونے پاتے
 جانے کس مرتبہ خاص پہ فائز ہوں رست
 ہم سے کافر کہ مسلمان نہیں ہونے پاتے



آیا وہ مُستِ نازکِ حُسرِ امی
 نذرانہ جس کا جَانِ گرامی
 رنگیں ادائیں افکارِ خسرو
 رُوئے کتابی دیوانِ جامی
 ابرو کا مصرعِ غالب کا مطلع
 حُسنِ مرتبِ نظمِ نظرِ امی
 ابرو سے گزروہ کر دے اشارا
 تقدیر لکھ دے خطِ غلامی
 اُس نے جہاں بھی چاہی رفاقت
 فتنوں نے بھر لی چپکے سے ہامی
 آیا وہ آیا اے دل ! وہ آیا
 بادِ سحر تھی جس کی پیامی
 لہرِ سُر رہا ہے دریا ئے بادہ
 مجھ سے بجا لا۔ اے تشنہ کامی



بہار اک دم کی گل اک دن کا ماں ہے مگر کیوں ہے
 ہمیشہ سے یہی نظم گلستاں ہے مگر کیوں ہے
 فروغِ آئینہ آئینِ فطرت تھا مگر کیوں تھا
 شکستِ آئینہ تقدیر یزدان ہے مگر کیوں ہے
 مقدر تھا کہ اسرارِ دو عالم فاش ہو جائیں
 بشر اپنی جبارت سے پشیاں ہے مگر کیوں ہے
 نوا پیرائے ہستی کا شِ اتنا ہی بتا دیتا
 نوا کا مقبرہ شہرِ خموشاں ہے مگر کیوں ہے
 وہی شعلہ کہ جس نے پھونک ڈالا خانہ جاں کو
 وہی شعلہ فروغِ خانہ جاں ہے مگر کیوں ہے



بشر بادِ صفِ تسخیرِ فلک پیوندِ خاکِ آب تک
 مگر یارب! مہ و خورشید و انجم تا بناکِ آب تک
 خرد سو سو طرح بخیر گری کرتی رہی جن کی
 جنوں کے ہاتھ سے ہیں وہ گریباں چاکِ آب تک
 نیم صبح اس نازِ شگفتِ گل سے کیا حاصل؟
 ہزاروں پھول محروم نمونہ ہیں زیرِ خاکِ آب تک
 بہت قاتل ہے زہرِ تاک لیکن کیا علاج اسکا
 کہ اکسیرِ غم آفاق ہے یہ زہرِ تاکِ آب تک
 ظہورِ عہدِ نو برحق مگر یہ کیا قیامت ہے
 شفق ہے خونچکاں بتک سحر ہے سینہ چاکِ آب تک
 نجانے کتنے ساماں ہو چکے ہیں دلنوازی کے
 نجانے کتنے دل ہیں مرگِ پنہاں سے ہلاکِ آب تک
 دیارِ جاں سے سیلِ غم فقط اک بار گذرا تھا
 مگر اس تجربے سے زندگی ہے سہم ناکِ آب تک!



حقیقت کیا ہے اس کربِ نہاں کی
 یہ قیمت ہے تو کس جنسِ گراں کی
 غبارِ آلود ہے کیوں چہرہٴ وقت
 یہ آحسہ گرد ہے کس کارواں کی
 محبت ہے نیاز آئیں تو اے دل
 یہ تجھ میں بے نیازی ہے کہاں کی
 کتابِ دل مکمل تھی مگر اب
 عبارتِ مٹ رہی ہے درمیاں کی
 ہمیں سے کار و بارِ شوق و مستی
 ہمیں پر سختیاں کارِ جہاں کی
 نہ دے مجھ کو گراں گوشی کے طعنے
 صدا نازک بہت ہے سازِ جہاں کی





تافلے جن کی ہدایت پہ رُواں ہوتے ہیں
 کسی گمراہ کے قدموں کے نشان ہوتے ہیں
 دلِ وارفتہ! شبِ ہجر کوئی خواب ہی دیکھ
 خواب بھی مایہ بیداری جاں ہوتے ہیں
 نفسِ گرمِ عنادِ دل کی حقیقت معلوم
 پھولِ ہیچانِ تجلی سے جواں ہوتے ہیں
 کس کو معلوم اُن اشکوں کی حقیقت اے دست
 رُوح کی سمت جو آنکھوں سے رُواں ہوتے ہیں
 دل پہ یوں چھوڑ گیا سیلِ بلا اپنے نقوش
 جس طرح ریت پہ لہروں کے نشان ہوتے ہیں
 گاہے گاہے ترے کوچے سے گزرنے والے
 رہ نہایانِ جہانِ گذراں ہوتے ہیں!





زندگی عارض و گیسو کے سوا۔ اور بھی ہے
 اک سحر اور بھی اک شامِ بلا اور بھی ہے
 عشق ہی مستحقِ دار نہیں ہے کہ یہاں
 عقلِ بے عشق بسزاوارِ سزا اور بھی ہے
 سینہ ساز میں نعموں کا تلاطم ہی نہیں
 دلِ مطرب کے دہڑکنے کی صدا اور بھی ہے
 گاہے گاہے جسے تم بھی نہیں کرتے محسوس
 تم میں اک ایسی پراسرار ادا اور بھی ہے
 کفر و ایمان ہیں خدایانِ کہن سے بیزار
 دیر و کعبہ میں کوئی تازہ خدا اور بھی ہے
 اجنبی کسی جو نوا ہے مرے بر لبِ ریس
 کیا مری دُھن میں کوئی نغمہ سُر اور بھی ہے





بہار ہو کہ خنزاں تازگی نہیں ملتی
 چمن میں جدتِ تخلیق ہی نہیں ملتی
 شروعِ عشق میں شعلہ سا اک بھڑکتا ہے
 پھر اس کے بعد کہیں روشنی نہیں ملتی
 میں جب سے نگہتِ گل کی طرح ہوں آوارہ
 صبا کو خدمتِ آوارگی نہیں ملتی
 شعورِ عشق کو باز چپہ جنوں نہ بنا
 جنوں ملے تو ملے آگہی نہیں ملتی
 عذابِ وصل بھی مقسومِ عشق ہے کہ اسے
 فقط سرائےِ غمِ حیر ہی نہیں ملتی
 ان اہلِ درد کو اپنی خبر کہاں کہ انہیں
 کبھی کبھی خبرِ دوست بھی نہیں ملتی





باہمِ قربتِ دل و دین
ہائے وہ دل نشین و نادین
سینہٴ سنگ میں ترپتے ہیں
کتنے اصنامِ ناتراشیدہ؟
تو نے کیا کہہ دیا۔ دلِ مشتاق
وہ کئی روز سے ہیں سنجیدہ
اُن کے گیسو سلجھ گئے تو کیا
اور بھی مسئلے ہیں پے چیدہ
مجھ سے ہی طالبِ پرستش ہیں
میرے اصنامِ خود تراشیدہ
مرحبا اے تلافیِ عہدِ عشق
شاد باد، اے جمالِ رنجیدہ



شعورِ انساں کے کا نامے۔ اگرچہ واضح بھی نام بھی ہیں
 مگر جہاں خود شعورِ گم ہے کچھ ایسے نازک مقام بھی ہیں
 نجانے نقاش کا تخیل۔ ازل سے ہے کس دھڑکن میں
 کہ زندگی کے تمام خاکے۔ تمام بھی ناتمام بھی ہیں
 حیات کے قافلوں سے کہو۔ سنبھل کے دیر و حرم سے گزریں
 کہ ارتقاءِ بشر کی منزل میں چند مشکل مقام بھی ہیں
 رموزِ ہستی ہیں سخت مبہم۔ روایتوں کا یقین نہ کرنا
 کہ راویانِ رموزِ ہستی روایتوں کے غلام بھی ہیں
 عجب نہیں گر بھٹک رہے ہیں جنوں و حکمت رہ طلب میں
 یہ وادیاں ہولناک بھی ہیں۔ یہ قافلے سُست کام بھی ہیں
 فضا میں گستاخ اُڑنے والے۔ فضا میں ہیں بجلیاں پر افشاں
 زمیں پہ مغرور چلنے والے! زمیں کے ہم رنگ دام بھی ہیں
 زمانہ صدیوں کی گردِ دشوں میں جنہیں بمشکل سمجھ سکے گا
 سنا ہے اس عہد کے لبوں پر کچھ ایسے نازک پیام بھی ہیں



ساحل سمجھ کے چشم طلب جس کو دنگ ہے
اس بحر بیکراں میں وہ اک موج رنگ ہے
اندھے جوشِ ناز کہ بلبلوں سے رنگ و بو
اُس گلابِ دن کے قامتِ زیبا پہ تنگ ہے
یہ عقدہ کادشِ غم پہناں سے حل ہوا
دل اور غم میں نسبتِ فرما دوسنگ ہے
اُس شہسوارِ ناز کو شاید خبر نہیں
اک صیدِ نیم کشتہ عریضِ خدنگ ہے
ہر ذرے سے ہے ولولہ تازہ آشکار
یارب! وہ دل کہاں ہے جس کی اُمنگ ہے
آؤ۔ نئی بہار کے خاکے سجائیں ہم
یہ خار ہے یہ گل ہے یہ بو ہے یہ رنگ ہے
اُس جانِ آرزو سے مبارک طلب تھا دل
دیکھا تو اپنے آپ سے مصروفِ جنگ ہے



جب ادھر سوزِ محبت میں کمی ہوتی ہے
دیکھتا ہوں کہ ادھر آگ لگی ہوتی ہے
جب بھی دیتا ہے کوئی ترکِ وفا کے طعنے
انتقاماً مرے ہونٹوں پہ ہنسی ہوتی ہے
کوئی اس پہلوئے محبوب طلب میں کسی رات
نہیں ہوتا تو نسیمِ سحری ہوتی ہے
پہلے دل خندہ گل سے بھی لرز جاتا تھا
اب کوئی خون بھی روئے تو خوشی ہوتی ہے
شارحینِ چمن اے کاش اُسے پڑھ سکتے
جو حکایتِ ورقِ گل پہ لکھی ہوتی ہے



ہجومِ غم سے مفر کا خیال کیوں آیا
 یہ سوچتا ہوں سحر کا خیال کیوں آیا
 بہت دنوں سے قدم بھی جدھرنے اُٹھے تھے
 بہت دنوں میں اُدھر کا خیال کیوں آیا
 جنوں شوقِ تری سمت کیوں ہوا مائل
 جہاں نور و کو گھر کا خیال کیوں آیا
 ترے بغیر ہر اک انجمن ہے دیرانہ
 ترے بغیر سفر کا خیال کیوں آیا
 ابھی تو شہر میں قحطِ شرابِ ناب نہیں
 کسی کی مستِ نظر کا خیال کیوں آیا
 یہ کیا ہوا کہ ہوائے سحر نہیں آئی!
 فقط ہوائے سحر کا خیال کیوں آیا
 رہِ حیات بھی نامتابلِ گذر تو نہ تھی
 تمہاری راہِ گذر کا خیال کیوں آیا

عشق کو باز نہ رکھ شکوہ سرا ہونے سے
 نغمہ مریجاتا ہے محسوس صدا ہونے سے
 ہر تجلی سے گذرتی چلی جاتی ہے نگاہ
 کوئی وعدہ ابھی باقی ہے وفا ہونے سے
 دل کو اب تیری توجہ کا یقین آیا ہے
 وہ بھی کچھ تیرے تغافل کے سوا ہونے سے
 غنچہ نو سے دم صبح یہ کہتی تھی نسیم
 زندگی اور نکھر رہی ہے فنا ہونے سے
 رُوحِ نغمہ اجلِ نغمہ ہے پابندی نے
 نالہ بن جا کسی مُطرب کی نوا ہونے سے
 دہر و شوق کو ہوتا نہیں اندازہ راہ
 ہاں مگر تجربہ لغزش پا ہونے سے
 کفن بن کر مری ہستی میں سمٹ آیا ہے
 وہی سجدہ کہ جھجکتا تھا ادا ہونے سے



رئیس اشکوں سے دامن کو بھگو لیتے تو اچھا تھا
حضورِ دوست کچھ گستاخ ہو لیتے تو اچھا تھا
جدائی میں یہ شرطِ ضبطِ عزم تو مار ڈالے گی!
ہم اُن کے سامنے کچھ دیر رو لیتے تو اچھا تھا
بہاروں سے نہیں جنکو توقع لالہ و گل کی
وہ اپنے واسطے کلنٹے ہی بو لیتے تو اچھا تھا
سُراخِ کارواں تک کھو گیا اب سوچتے یہ ہیں
کہ گردِ کارواں کے ساتھ ہو لیتے تو اچھا تھا
ابھی تو نصفِ شب ہے انتظارِ صبح نو کیسا
دلِ بیدار! ہم کچھ دیر سو لیتے تو اچھا تھا
قلمِ رُودادِ خون و اشک لکھنے سے جھجکتا ہے
قلم کو اشکِ دُخوں ہی میں ڈبو لیتے تو اچھا تھا
فقط اک گریہِ شبِ نیم کفایت کر نہیں سکتا
چمن والے کبھی جی بھر کے رو لیتے تو اچھا تھا

عشق رجعت ہے کہ اقدام ہے معلوم نہیں
 یا فقط اک روش عام ہے معلوم نہیں
 نغمہ پرواز تو نغمے کو جگا دیتا ہے
 نغمہ ساز کا کیا کام ہے معلوم نہیں
 ہے مرے عالم افکار پہ غالب کوئی شخص
 اور اس شخص کا کیا نام ہے معلوم نہیں
 غم ہستی ہے کسی جرم نہایت کی سزا
 یا کسی فتح کا انعام ہے معلوم نہیں
 یہ حقیقت کی تجلی ہے مری نظروں میں
 یا فقط سایہ ادہام ہے معلوم نہیں
 موت ہے دستِ ہستی کا ضمیر لیکن
 یہ وضاحت ہے کہ ابہام ہے معلوم نہیں
 دل میں اک طائرِ زخمی کہ پھر کتا ہے رئیس
 پر کشا ہے کہ تیر دام ہے معلوم نہیں

زندگی میں کہ ہم معرکہ آرائی ہے
 کس قدر نظم ہے ترتیب ہے رعنائی ہے
 غیرتِ حُن کہاں کشمکشِ دید کہاں
 آئینہ اپنے تخیل کا تماثلی ہے
 خلوتِ غیب میں نقاشِ ازل سے کہو
 صرف تخلیقِ علاجِ عشمِ تنہائی ہے!
 سچ گئی قامتِ جاناں پہ قبائے ہر رنگ
 جامہ زیبی بھی عجب جامہ زیبائی ہے
 محفلیں ماہ و ستارہ کی سجانے والے
 ہائے کیا چیز ترا عالمِ تنہائی ہے

جو زندگی سے تہی ہو وہ عاشقی کیا ہے
 مگر سوال تو یہ ہے کہ زندگی کیا ہے
 جبینِ غنچہ و گل سے ٹپک رہا ہے لہو
 کسے خبر کہ مالِ شگفتگی کیا ہے؟
 حرم میں معرفتِ کردگار پر تھی نزاع
 صدایہ دیر سے آئی کہ آدمی کیا ہے
 ابھی سے شکوہ پست و بلند ہم سفر و!
 ابھی تو راہ بہت صاف ہے ابھی کیا ہے
 چمن چمن جو خزاں کا ہے غلغلہ تو بھلا
 روشِ روشِ یہ نمودِ بہار سی کیا ہے
 وہ عشق کفر سے بدتر جو یہ بتا نہ سکے
 حیات کیا ہے؟ جنوں کیا ہے؟ آگہی کیا ہے؟
 رئیسِ شیوہ رندانہ اس زمانے میں
 خلافِ وضع سہی پر کبھی کبھی کیا ہے!

شب ہے اور بابِ انتظار ہے باز
 دے رہا ہے کوئیِ فقیہِ آواز
 دل کے تاروں کو چھیڑنے والے
 تو ہے کس کے لئے نوا پرداز؟
 ان کو دیکھا کہ گفتگو کر لی
 ایک شے ہیں تجسلی و آواز
 دل جو لرزاں ہے شاخِ گل کی طرح
 دفعتاً کون کر گیا پرداز
 نغمہ سنجی میں نغمہ گر کا سکوت
 باز گشتِ صدائے گنبدِ راز
 کتنی خونیں حکایتوں کا پھوٹا
 اُن کی رنگیں سی اک حکایتِ ناز
 داستانِ نگاہ و نظارہ
 صرف آویزشِ کبوتر و باز

دل سے یا گلستاں سے آتی ہے
 اُن کی خوشبو کہاں سے آتی ہے
 کتنی معسرور ہے نسیمِ سحر
 شاید اُس آستاں سے آتی ہے
 خود وہی میسرکارِ رواں تو نہیں
 بوئے خوش کارِ رواں سے آتی ہے
 اُن کے قاصد کا منتظر ہوں میں
 اے اجل ! تو کہاں سے آتی ہے
 شکوہ کیسا کہ ہر بلا اے دوست
 جانتا ہوں جہاں سے آتی ہے
 کس کی آواز گاہ گاہ اے دل
 پردہ سازِ جاں سے آتی ہے
 دل سے مَتِ سرسری گذر کہ رئیس
 یہ زیں آسماں سے آتی ہے



صنم کدے ہوں کہ خانقاہیں ظہورِ فتنہ کہاں نہیں ہے
 گریزائے آہوانِ کعبہ اک اب کسی کو اماں نہیں ہے
 شگفتہ ہو ہو کے کہہ رہا ہے ریاضِ ہستی کا غنچہ غنچہ
 کہ ناظمِ رنگ و بو ابھی تک بہار سے بدگماں نہیں ہے
 مہ دستارہ کی انجمن میں نہ شوقِ حیراں بہل سکے گا
 کہ سب یہ جس کی نشانیاں ہیں اُسی کا کوئی نشان نہیں ہے
 جو عہدِ تازہ کے منتظر ہیں وہ کاش یہ حادثہ بھی دیکھیں
 کہ عصرِ حاضر سسک رہا ہے مگر کوئی نوحہ خواں نہیں ہے
 قدمِ قدم پر سوادِ منزل کا ہے اشارہ کہ اے مسافر!
 بھٹک رہا ہے تو جس کی خاطر وہ گردے کا رواں نہیں ہے
 رئیسِ اپنی حکایتِ غم اُنھیں سنانے سے فائدہ کیا؟
 جو صاف کہہ دیں کہ ایسی باتوں کو احتیاجِ بیاں نہیں ہے



مشامِ جاں مُعطر جس کی بُوئے پیرِ مین سے ہے
 نہیں معلوم اُس یوسف کو نسبت کس مطن سے ہے
 قبائے رنگ و بو کی دلفریبی دیکھنے والو!

یہ سب خوبی عروسِ گل کی ترکیبِ بدن سے ہے
 بہاریں ڈھونڈتی ہیں گلستاں در گلستاں جس کو
 الہی، وہ گلِ شاداب آخر کس چمن سے ہے
 نہ چھڑا شفتگانِ شوق کو یہ بھی تو سوچ آخر
 نہ جانے کون کس عالم میں کس دیوانہ پن سے ہے
 سُرِ غمِ رشتہ ہائے ملک و ملت ڈھونڈنے والے
 ہمارا سلسلہ تو ایک زلفِ پُر شکن سے ہے
 ادھر سے غرضِ غم ہے اور کس کس تلخ کامی سے؟
 ادھر سے عُذرِ غم ہے اور کس کس بانپن سے ہے؟
 مری آوارگی پہونچی تو آخر اس نتیجے پر
 کہ رستہ شہرِ جاں کا خانہ ویرانِ تن سے ہے

کیوں یہ بیگانہ رُوی اے نفسِ بادِ سحر!
 کب سے اک ستم بھڑکتی ہے سرِ راہِ گذر
 جب بھی اسباب پریشانیِ خاطر سوچے
 جا کے ٹھہری کسی گیسوئے پریشاں پہ نظر
 میری آنکھیں تو محبت میں کبھی نغم نہ ہوئیں
 کون روتا ہے الہی مرے دل میں چھپ کر؟
 دیدہ و دل کی نگہداشت بہت کی ہم نے
 ٹوٹ جانا ہی ان آئینوں کی قسمت ہوا گر؟
 کاش وہ دن ہو کہ میں جانبِ درتکتا ہوں
 اور وہ خانہ جاں سے یہ پکائے کہ ادھر
 دل خوں گشتہ و لب ہائے تبسم آلود
 اُن یہ پابندی آئینِ بہار۔ اے گلِ تر
 آنکھ تو کھول خمارِ شبِ فرقت سے ریس
 دیکھ تو کون یہ بیٹھا ہے تری بالیں پر

دل کسی مستِ ناز تک پہونچے
 یہ حقیقت مجاز تک پہونچے
 سلسلہ کاشش میری وحشت کا
 اُن کی زلفِ دراز تک پہونچے
 جس طرف بھی سفر کیا ہم نے
 اُسی فتنہ طراز تک پہونچے
 مدعیانِ حق کو کیا معلوم؟
 ہم بمشکل مجاز تک پہونچے
 کاشش وجہ شکستِ آئینہ
 گوشِ آئینہ ساز تک پہونچے
 عزیز نوی بن۔ کہ تیرا دستِ طلب
 حنہ زلفِ ایاز تک پہونچے
 دل کے جانے کا رنج کیا کہ رئیس
 تم کسی دِلنواز تک پہونچے



شمار د شعلہ د برق افگنی کے ساتھ آئی
بہار آب کے بڑی روشنی کے ساتھ آئی
وہ شے جسے غلش انتظار کہتے ہیں
اُجل کے ساتھ گئی زندگی کے ساتھ آئی
خوشایہ خاک کہ اس خاک پر عروس حیات
خدا کے ساتھ نہیں آدمی کے ساتھ آئی
فراقِ دوست - بلا ہی سہی مگر یہ بلا
کبھی کبھی تو بڑی دلکشی کے ساتھ آئی
ترے لبوں پہ گلستاں کھلا گئی کیا کیا
وہ اک نہی جو بہت بیدلی کے ساتھ آئی
دلِ حُزنی ہے اندھیروں سے مٹھن لیکن
شبِ سراق اگر چاندنی کے ساتھ آئی
مجھے بتانے کے محسوسان جلوہ صبح
وہ کیا سحر تھی جو اس تیرگی کے ساتھ آئی



چاند۔ بدلی میں یکا یک جو نہاں ہوتا ہے
 کسی در پردہ کشاکش کا گماں ہوتا ہے
 کوئی شعلہ تو نہیں غم کہ بھڑک کر بجھ جائے
 یہ اُبھرتا ہے۔ نکھرتا ہے۔ جواں ہوتا ہے
 فطرتِ حُسن ہے خود بین و خود آرا ورنہ
 رنگ بھی گل کی نزاکت پہ گراں ہوتا ہے
 جیسے وہ خود کسی پردے سے نکل آئیں گے
 دل کچھ اِس طرح بہر سُونگراں ہوتا ہے
 کیوں یہ افکار کی دنیا میں تلاطم ہے ریلیں
 کون بیدار پس پردہ حباں ہوتا ہے



میں اور سجدہ کسی سنگِ آستان کے لئے؟
 اگر زمیں پہ جھکوں گا تو آسماں کے لئے
 وہیں وہیں ترے عارض پہ ہر لطافتِ رنگ
 نگاہِ شوق نے بوسے جہاں جہاں کے لئے
 بس اک ندامتِ افشائے راز ہی تو نہیں
 ہزار طرح کے خطرے ہیں رازداں کے لئے
 شمیمِ گل ! یہ سفر کس کو راس آیا ہے؟
 یہ تو کشمیں گل سے چلی کہاں کے لئے
 کبھی کبھی تو مکمل سکوت لازم ہے
 معاملاتِ محبت کے ترجمان کے لئے
 نجانے کب سے مرادل وجودِ قطرہ میں
 دھڑک رہا ہے کسی بحرِ بیکراں کے لئے؟
 کئے ہیں صرف بہاروں نے غنچہ و گل میں
 کہاں کہاں کے اشارے کہاں کہاں کے لئے



کب نعمت شوق اہل تمنا کے لئے ہے؟
 یہ گیت کسی مطربِ فردا کے لئے ہے !
 تو کس کے لئے زندہ و پائیدہ ہے اے دل !
 قطرے کی بقا - عظمتِ دریا کے لئے ہے
 اے قافلہ شوق ! درِ جاں پہ ٹھہر جا
 یہ راہ - کسی رُسر و فردا کے لئے ہے
 کیوں شاخِ تمنا پر شگفتہ نہیں ہوتا
 وہ گل جو - خمِ طرہ لیلیٰ کے لئے ہے
 ذکرِ غمِ جاناں میں بسر ہو تو کہاں تک
 وہ عمر کہ فکرِ غمِ دنیا کے لئے ہے
 اے صحنِ چمن ! رونقِ گلِ تنجھ کو مبسارک
 سماں بہت آرائشِ صحرایہ کے لئے ہے





زباں جب ہو گئی محسوس شرحِ آرزو بندی
 تو ہم نے بھی گوارا کر لیا حکمِ زباں بندی
 محبت خود ترازوئے محبت ہے یہاں۔ ورنہ
 نہ معیارِ جنوں کوئی نہ میزانِ خردِ مندی
 دُریچے رفتہ رفتہ کھل رہے ہیں قید خانوں کے
 مگر اب تک سیروں کے لئے ہے حکمِ درِ بندی
 یہ کس مہرِ بسین کی منتظر ہے روزِ اول سے
 خلا میں کہکشاں در کہکشاں تار و کی صفتِ بندی
 رئیسِ آبِ اہلِ دل کو اعترافِ دردِ لازم ہے
 کہاں تک ناخوشی کے باوجود اظہارِ خورِ سندی ؟



غروبِ فہر کا ماتم ہے گلستانوں میں
 نسیمِ صبح بھی شامل ہے نوحہ خالوں میں
 جہاں تھے رقصِ طرب میں کبھی درودیوار
 بلائیں ناچ رہی ہیں اب اُن مکانوں میں
 اندھیری رات۔ بھیانک کھنڈر۔ مہیب فضا
 بھٹک رہا ہوں اجل کے سیاہ خالوں میں
 یہ آمد آمدِ طوفانِ شب۔ خدا کی پناہ
 طیورِ شام سمٹ جائیں آشیانوں میں
 یہ سائیں سائیں کی آواز ہے کہ موت کی ہوک
 جو گونجتی ہے شیاطین کے ترانوں میں
 نہیں ہے شہرِ وفا کی تباہیوں کا گلہ
 مگر وہ لوگ جو رہتے تھے ان مکانوں میں
 عجیب تھیں یہ غریبوں کی بستیاں لیکن
 غریب رہ نہ سکے ان غریب خالوں میں!



اب دل کی یہ شکل ہو گئی ہے
جیسے کوئی چیسے زکھو گئی ہے
پہلے بھی حشراب تھی یہ دُنیا
اب اور حشراب ہو گئی ہے
اِس بحر میں کتنی کشتیوں کو
ساحل کی ہوا ڈبو گئی ہے
گل جن کی ہنسی اڑا چکے تھے
شبِ نیم بھی اُنھیں کو رو گئی ہے
کل سے وہ اُداس اُداس ہیں کچھ
شاید کوئی بات ہو گئی ہے





فغانِ ایجاد ہو کر رہ گیا ہوں
لبِ منیر یاد ہو کر رہ گیا ہوں
ذرا۔ اے انقلابِ وقت دم لے
کہ میں برباد ہو کر رہ گیا ہوں
تمہیں دل سے بھلا دینے کے باوصف
تمہاری یاد ہو کر رہ گیا ہوں
مری تخلیقِ نغمے سے ہوئی تھی
مگر منیر یاد ہو کر رہ گیا ہوں
مجھے ختمِ اسیری سے مِلا کیا
فقط آزاد ہو کر رہ گیا ہوں





ہجر سے وصل اس قدر بھاری
 شام سے دل پہ ہول ہے طاری
 اُن کے چہرے پہ نتیجے کے باوصف
 افعالِ شکست ہے طاری
 دل کئی روز سے ڈھڑکتا ہے
 ہے کسی حادثے کی تیاری
 اُن کو تکلیفِ ناز دیتا ہوں
 ہائے یہ خوئے دوست آزاری
 جان لیوا سہی جِ راحتِ عشق
 عقتل کا زحیم ہے بہت کاری



کچھ ہے تو فرد سے ہے افکار میں رعنائی
 اے آگہی وحشت! تو کیا مرے کام آئی
 خلوت کدہ دل کی اندر سے پہنائی
 میں خود بھی سمٹ آیا دنیا بھی سمٹ آئی
 اے نوع بشر! اپنی تفتدیر کو پورا کر
 مجبوری و مختاری - نادانی و دانائی
 کیوں کتنے جہاں میں نے ذروں سے تراشے ہیں
 بول اے مرے دیر نے چیخ اے مری تنہائی
 اب دور نہیں ہم سے تسخیر منہ و انجس
 کچھ اور قریب آجا اے گنبدِ مینائی
 ساحل پہ کریں کب تک موجوں کی مداراتیں
 دریا میں مزادے گی طوفاں کی پذیرائی
 آئینے نہ اس ضربِ جلولہ سے چٹخ جائیں
 اے حُسنِ برآشفتم - آہستہ سے انگڑائی

ہر گوشوہ محبوب نہیں
 پھر بھی کس رنگ میں تو خوب نہیں
 کوئی اربابِ دنا سے کہدے
 شکوہ متروک ہے معیوب نہیں
 جس سے سینے میں نہ بھڑکے کوئی آگ!
 وہ نفسِ عمر میں محسوس نہیں
 بندگی کفر سے بدتر ہے اگر
 میرے محبوب کو محبوب نہیں
 کچھ نہیں حاصلِ مکتوبِ اے دل
 دل اگر شاملِ مکتوبِ نہیں



عظمتیں اِصنام کی اَب کچھ سمجھ میں آگئیں
تیشہٴ فرہاد کی ضربیں تھیں جو پتھر اگئیں
ہائے کیا ہوتا جو قیدِ زیست ہوتی ناگوار
یہ غنیمت ہے کہ زنجیریں ہمیں راس آگئیں
تو نے جب چھڑا مری نا کامیوں کا تذکرہ
مجھ کو تیرے حسن کی محرومیاں یاد آگئیں
جن سے رونق تھی بہاروں کی وہ کلیاں بکھاں
اپنے اپنے وقت پر جاگیں، کھلیں مڑجھا گئیں
اولِ اول آئندہ تھا اور عکسِ رنگِ رنگ
آخرِ آخر آئے پر حیرتیں سی چھا گئیں





آسماں پر چاند تاروں کی صفیں تھرا گئیں
شب کے تہہ خانے میں دو پرچھائیاں ٹکرا گئیں
روزن دیوارِ حجرہ میں یہ ڈروں کا ہجوم
ایک دل میں اتنی دُنیاں کہاں سے آگئیں
میری جانب بڑھ رہی ہیں اُن گنت پرچھائیاں
اُن گنت پرچھائیاں تم آگئے تم آگئیں
ہے ازل سے قلمِ اسرارِ ہستی بے خروش
چند لہریں ہیں کہ ساحل پر اُچھل کر آگئیں





اہلِ وحشت کو شعورِ حدِ وحشت چاہیے
جوش میں اک ہوش بھی حسبِ ضرورت چاہیے
میں وہی محفل ہوں جس محفل کی مجھ کو تلاش
میں وہی خلوت ہوں خود مجھ کو جو خلوت چاہیے
اے غرورِ حُسن! تیرے شیوہ ہائے ناز سے
لُطف اٹھانے کو بہت نازک طبیعت چاہیے
جُرأتِ انکارِ حق یا ہمتِ استرارِ حق!
کچھ نہ کچھ تو اے غرورِ آدمیت چاہیے
زندگی محبوب بھی ہے زندگی معتبوب بھی
زندگی کے دونوں جلوؤں سے محبت چاہیے
اپنے آغوشِ تہی میں خود سمٹ آیا ہوں میں
ورنہ ہر آغوش کو اک سروِ قامت چاہیے



گو سبھی مشقِ ستم سے آزمائے جائیں گے
 وائے اُن پر جو کرم سے آزمائے جائیں گے
 سلسلہ جنباں ہوائے وحشت کہ ہنگامے ترے
 اُن کی زلفِ خم بہ خم سے آزمائے جائیں گے
 کفرِ مطلق ! بندگانِ خاص تیرے تاکجا ؟
 فتنہ دیر و حرم سے آزمائے جائیں گے
 خضرِ بہت کی منادی ہے کہ راہِ شوق میں
 اہلِ دل ! پہلے قدم سے آزمائے جائیں گے
 شرم اے ایماں ! کہ ہم سے مومنانِ دیر بھی
 کفرِ انکارِ صنم سے آزمائے جائیں گے
 امتحانِ سعیِ ضبطِ غم میں ہم تنہا نہیں
 وہ بھی سعیِ ضبطِ غم سے آزمائے جائیں گے
 اُن کو دعوے ہیں بہت بندہ نوازی کے رئیس
 آزمائیں گے جو ہم سے آزمائے جائیں گے

کیوں بہاروں میں تغیر ہو خزاں کیوں بدلے
 میری خاطر یہ جہان گزراں کیوں بدلے
 منظر حسن و تجلی ہے سراسر نیرنگ
 کم لگا ہوا نگہ دیدہ وراں کیوں بدلے
 لفظ و صورت میں بہر حال تغیر ہو گا
 شیوہ بنیش معنی نگراں کیوں بدلے
 درِ جاناں پہ جو پہونچا تو قدم کانپ اٹھے
 آئی آواز کہیں سے کہ یہاں کیوں بدلے
 اک جوانِ ہوس آلودہ و فاسق ہے رئیس
 صحبتِ پیرِ حرم میں یہ جواں کیوں بدلے

اُن سے گو بول چال بند نہیں!
 پھر بھی شکوے ہیں پسند نہیں
 ہے وہی شاخِ آشیاں اپنی
 اس چمن میں جو سر بلند نہیں
 دیر و کعبہ کے ناز بردارو!
 ہم کسی کے نیاز مند نہیں
 ہم حسدِ ابا تیوں پہ ہیں پھرے
 شیخ کا کوئی کام بند نہیں
 عشق کو احتیاط لازم ہے
 زندگی انتہا پسند نہیں

شروعِ عشق کا اے دل وہ کیا زمانہ تھا
 مراسلوں کے زبانی سے باغیانہ تھا
 نظرِ نظر کو میسر نہ تھی تجلی تھی
 قدم قدم پہ مرتب نیامانہ تھا
 ادھر شعور کی رفتار تھی حکیمانہ
 ادھر جنوں میں جلالِ پمیرانہ تھا
 حضورِ حسن بھی باوصفِ اعترافِ شکست
 نگاہِ شوق کا اندازِ حیرانہ تھا
 گدائے بوسہ کو پروائے وصلِ دوست نہ تھی
 غریبِ شہر کا انداز - خسروانہ تھا

رئیسِ ان کی جوانی بھی کیا جوانی تھی
 رئیسِ اپنا زمانہ بھی کیا زمانہ تھا

کامِ اس طرح تو ابتر نہ ہمارے ہوتے
 تم نے گیسو اگر اپنے ہی سنوارے ہوتے
 رہ گئے اشک مری آنکھ میں موتی بن کر
 اُن کے دامن پہ چمکتے تو ستارے ہوتے
 شعلہ حسن کو کچھ بھڑھایا گیا جامہ رنگ
 پھول اگر پھول نہ ہوتے تو شرارے ہوتے
 کاش دنیا کے مصائب کو سمجھنے کے لئے
 تم نے کچھ دن مری دنیا میں گزارے ہوتے
 بہہ رہے ہیں ازلی وابدی دھاروں میں
 پاؤں ٹپکتے تو کسی ایک کنارے ہوتے
 اب کہاں قافلہ صبح - کہاں غنچہ و گل
 یہ بھی اے کاش اُسی وقت سدھائے ہوتے
 یہ کشاکش تو بہر حال مستدرتھی رئیس
 تم اگر اُن کے نہ ہوتے وہ تمہارے ہوتے



قہر تھیں التفات کی باتیں
بن گئیں ایک بات کی باتیں
عمر بھر کی کہانیوں کا پھوٹ
آپ کی ایک رات کی باتیں
آج بھی اُن سے بات چیت رہی
بس وہی کائنات کی باتیں
اُس کے لب کی حلاوتوں کا بیاں
قند و شہد و نبات کی باتیں
اُس کے دورِ شباب کے قصے
میرے عہدِ حیات کی باتیں
میری دیوانگی میں کیا شک ہے؟
دن میں کرتا ہوں رات کی باتیں





راتوں کی جو چھڑ گئی ہیں باتیں
باتوں میں گزر گئی ہیں راتیں
کیا ہنسنے تھی اک نگاہ اُن کی
یاد آگئیں لاکھ وارداتیں
تم مجھ سے سُنو مری کہانی
یوں جتنی زبانیں اتنی باتیں
نازاں تھی اداے حُسن جن پر
اب عشق نے سیکھ لیں وہ گھاتیں
ہم لوگ بذاتِ خود ہیں دُنیا
دُنیا نے بنا رکھی ہیں ذاتیں
اے ناظرِ کائنات! دیکھیں
ذرّے کی لطیف کائناتیں





گر دشنِ وقت بھی آگے مجھے لے جانا سکی!
تم جہاں چھوڑ گئے تھے میں وہیں ہوں اب تک
زنب بادشہی خاک نشینوں کو ملا
اور میں بادشہ خاک نشیں ہوں اب تک
شکوہ ترکِ وفا کیوں یہ بہت ہے ایدوست
کہ ترے نام سے ہیزا نہیں ہوں اب تک
شبِ نیم و گل ہمہ عریاں مگر اے رُوحِ نمُو!
میں سرِ بزمِ چمن - پردہ نشیں ہوں اب تک



نہ عبارت نہ اشارت نہ بیاں لازم ہے
 رُوح معنی سے فقط ربطِ نہاں لازم ہے
 داغِ لالہ کو ابھی سے ہے تمنائے نمود
 چند دن صحبتِ خونیں جگراں لازم ہے
 پیرِ حکمت نے یہ نکتہ مجھے تسلیم کیا
 گلے گاہے ہو سِ گلِ بدناں لازم ہے
 علمِ بادہ بھی ضروری ہے تدرجِ خواروں کو
 جس طرح معرفتِ پیرِ معناں لازم ہے
 سنگِ بارانِ حوادث کا اثر کچھ نہ ہوا
 شیشہٴ دل پہ کوئی ضربِ گراں لازم ہے

تجھ سے خفگی۔ یہ روش ہم سے بہت دُور سمجھ
 آپ اپنے سے اُلجھ جائیں تو معذور سمجھ
 تو بھی تو رضعِ محبت سے ہے ناچار لے دل
 اُن کو بھی قاعدہ ناز سے مجبور سمجھ
 آبگینوں کی طبیعت کا تقاضا ہے شکست
 دل شکستہ ہوں کہ ثابت ہوں اُنھیں چور سمجھ
 ابھی اس راہ میں کچھ نقشِ قدم ملتے ہیں
 شہرِ جاناں کو ابھی دُور بہت دور سمجھ
 جرگہ حق طلباں۔ منکرِ منصور تھا کل
 آج جو منکرِ حق ہو اُسے منصور سمجھ
 بے رُخی ہم سے مناسب نہیں لے لالہ کوہ
 ہم کو بھی سوختِ سامانِ سُرطور سمجھ
 ہلے وہ ولولہ عرصِ تمتنا میرا
 اور اک شخص کا کہنا ہمیں معذور سمجھ

تو عبثِ عذر خواہ ہے پیارے
 عشقِ مسیرِ گناہ ہے پیارے
 دو دلوں کی تباہیوں پہ نہ رو
 ساری دنیا تباہ ہے پیارے
 عشق سے دلبری کی داد نہ چاہ
 عشق خود داد خواہ ہے پیارے
 ہو جہاں امتحانِ ناز وہاں
 دلنوازی گناہ ہے پیارے
 اب بھی وہ غم کہ زندگی تھا کبھی
 ہے دے گاہ گاہ ہے پیارے
 عشق پہلی نظر کا نام نہیں
 تو بہت کم نگاہ ہے پیارے
 طعنِ رندی نہ کر کہ تیرا رئیس
 عارفِ حق پناہ ہے پیارے



جب بھی عزمِ دل پہ بار گزرا ہے
آپ کو ناگوار گزرا ہے
ہاں ابھی آپ کا پیامِ کرم
بُوئے گل پر سوار گزرا ہے
ہے گزرگاہِ دل میں حشرِ اب تک
وہ فقط ایک بار گزرا ہے
ہے معطر۔ دماغِ لالہ و گل
کیا وہ جنانِ بہار گزرا ہے
ہائے وہ کیفِ انتظار کہ جب
ان کا آنا بھی بار گزرا ہے



منظوم

عَفْرِیَت اور دیوتا

جی میں آتا ہے شہر میں گھوموں
اور کوئی مجھے نہ پہچانے

خوف و حیرت سے لوگ دوسرائیں
میری جا دُو گری کے افسانے
یوں مرے جسم و جاں ہوں پُراسرار
یوں مرے خال و خد ہوں انجانے
جیسے میرے وجود میں مدفون
گم شدہ مقبروں کے تہہ خالے
جیسے میرے غبار میں ملبوس
موت کی وادیوں کے دیرانے

جی میں آتا ہے شہر میں گھوموں
اور کوئی مجھے نہ پہچانے

توڑ ڈالے ہوں اسطرح میں نے
 شخصیت کے تمام پہاڑے
 کہ مری ذات کے دھندلکے ہیں
 کوئی جھانکے تو کچھ نہ پہچانے
 میرے دیرانہ سراغ میں گم
 لاکھ دانا ہزار دیوانے
 کوئی سمجھے فرشتہ ارواح
 کوئی آوارہ گرد۔ گردانے
 بے محاسب مسافروں کی طرح
 گشت کرتے ہوں میرے افسانے
 داستانوں کے ڈھیر لگ جائیں
 گر کوئی میری خاک پا چھانے
 چھانٹ رکھے ہوں میری وحشت نے
 شہر و صحرائیں دوہی کاٹنا
 اول صبح چند گورستان
 آخر شام چند مئے خانے

جی میں آتا ہے شہر میں گھوموں
اور کوئی مجھے نہ پہچانے

شہر یار و وزیر و مسیرو فقیر
کون کیا ہے؟ مری بلا جانے
میں ہوں یارانِ شہر سے بیزار
مجھ سے یارانِ شہر بیگانے
میری حد تک حدودِ ممنوعہ
مسجدیں، مدر سے، صنم خانے
یوں گریزاں ہوں میرے سائے سے
شہرِ علم و ہنر کے فرزانے
جیسے طوقِ گلو سے دالِ شمند
جیسے زنجیرِ پا سے دیوانے

جی میں آتا ہے شہر میں گھوموں
اور کوئی مجھے نہ پہچانے

لیکن اس شہرِ نامراد سے دور
وہ جو ٹیلے ہیں جانے پہچانے

ایک معدوم قوم کا مسکن
 قبل تاریخ کے یہ دیرانے
 یہ پُر اسرار عالم ارواح
 آدمِ اولیٰں کے کاشانے
 انہی ٹیلوں میں ایک ٹیلے پر
 کب سے کس عہد سے خدا جلنے
 ایک سایہ سا کا پنتا ہے کبھی
 ابدیت کی برچھیاں تانے
 یہ ہے تاریخِ عقل کا عفریت
 اہل دانش ہیں جس کے دیوانے

یہی عفریتِ دوزخی اے کاش
 مجھ کو معصوم دیوتا ملنے



خواب پریشاں

بتا کیا کیا تجھے اے شوق حیراں یاد آتا ہے
 وہ جانِ آرزو وہ راحتِ جاں یاد آتا ہے
 پریشاں خاطری حد سے گزرتی ہے تو وحشت کو
 کسی کا عالم زلفِ پریشاں یاد آتا ہے
 گزرتا ہے کبھی جب چوڑھویں کا چاند بدلی سے
 مہینِ آنچل میں اُن کا رُوئے تاباں یاد آتا ہے
 اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں تو رہ رہ کر
 دُپٹے کے ستاروں کا چراغاں یاد آتا ہے
 اُفق پر پھیلتی ہیں سُرخیاں جب صبحِ تازہ کی
 کوئی سینہ پس چاکِ گریباں یاد آتا ہے
 کلی کو پھول بنے دیکھ کر عہدِ بہاراں میں
 کوئی چہرہ بہت نوخیز و خنداں یاد آتا ہے

غزل جب چھڑ دیتا ہے کوئی صبح جوانی کی
 کسی کا جسم موزون و غزل خواں یاد آتا ہے
 وہ طوفاں کروٹیں لیتا تھا جو اک جسم رعنائیں
 وہ طوفاں ہم کنار سی کا وہ طوفاں یاد آتا ہے
 وہ ارماں جو کسی کے شونخ ہونٹوں پر مچلتا تھا
 وہ ارماں بوسے لب کا وہ ارماں یاد آتا ہے
 و فور شوق سے خود ہاتھ اپنے چوم لیتا ہوں
 و فور شوق میں جب اُن کا داماں یاد آتا ہے
 بہت کچھ یاد آتا ہے ریس اُن کی جدائی میں
 مگر جیسے کوئی خواب پریشاں یاد آتا ہے



اے جانِ رئیس

اے رئیسِ مزدبوی کی جانِ اے جانِ رئیس
 کوچ ہے درپیش کوچہ گردیادوں کو سلام
 ہر قدم پر جن کو پیچھے چھوڑتا جاتا ہوں میں
 جانِ من - اُن رہروں اُن رہ گزاروں کو سلام
 اجنبی لوگوں میں مجھ کو بے سہارا دیکھ کر
 جو سہارے تو نے بخشے اُن سہاروں کو سلام
 تیری گہری خوبصورت شوخ آنکھوں کو دعا
 شوخ آنکھوں کے جیا پر وراثتوں کو سلام
 جو ترے عارض ہیں ہرے اُن شگوفوں کو نوید
 جو تری پلکوں پہ چلے اُن ستاروں کو سلام
 تیری بانہوں کی کھنکھتی چوڑیوں کو الوداع
 تیرے کانوں کے دکتے گوشواروں کو سلام

تیرے رُخسارِ شگفتہ کے گلابوں پر درود
 تیرے لبِ ہائے حسیں کے غنچہ زاروں کو سلام
 جو درخشاں ہیں ترے حُسنِ شبابِ افروز میں
 اے مری زُہرہ جبیں اُن ماہ پاروں کو سلام
 تیری زلفِ دُرُخ میں قدرت نے سجایا ہے جنہیں
 کائناتِ حُسن کے اُن شاہکاروں کو سلام
 تیرے دروازے کے شیشم کو پیامِ بندگی
 تیرے آنکھ کی چنبیلی کی بہاروں کو سلام
 بن کھلی کلیوں کے فرحت بخش گلستوں کو پیار
 نوشگفتہ نوجواں پھولوں کے ہاروں کو سلام
 غنچہ دگل ہوں کہ مہرِ دمِ کسی کے حُسن کے
 استعارے ہیں رئیسِ ان استعاروں کو سلام



ارضِ افسون و افسانہ

چل اے دل سوئے شہرِ جانانہ چل
 بصد شب روی ہائے مستانہ چل
 یہی ہے تمتائے خواب و خمار
 سوئے ارضِ افسون و افسانہ چل
 یہی ہے تقاضائے شعر و شہاب
 سوئے خاکِ مہتاب و مے خانہ چل
 بہ تعمیلِ منشورِ مے خانہ اٹھ
 بہ تجدیدِ پیماںِ پیماں چل
 مبارزِ طلب ہیں حوادثِ توکیا
 رجزِ چھیڑ کر رزمِ خواہانہ چل
 مصائب ہیں ہنگامہ آرا تو ہوں
 علم کھول کر فتحِ مندانہ چل

جو مقصودِ خاطر ہے تنہا روی
 تو آزاد و تنہا و بیگانہ چل
 جو تنہا روی کا سلیقہ نہ ہو
 تو اُن جان راہوں میں تنہا نہ چل
 اٹھا دل و کشکول و کاسہ اٹھا
 قلندرِ صفت چل فقیرانہ چل
 دُف و چنگ و طاووس و ظنور نے
 یہ قانونِ شہر و دوشاہانہ چل
 شیربانِ لیلیٰ کو زحمت نہ دے
 رہِ شوق میں بے حجابانہ چل
 ابھی منزلیں منزلوں تک نہیں
 ابھی دور ہے شہرِ جانانہ چل
 ابھی حُسن کی خیمہ گاہیں کہاں
 ابھی اور دیرانہ دیرانہ چل
 ابھی شہرِ جانان کی راہیں کہاں
 ابھی اور بیگانہ بیگانہ چل

جبل درجبل . دشت در دشت ابھی
 جواں مرد کُسار ! مردانہ چل
 وہ بنتِ قبیلہ نہ ہونٹنظر
 ذرا تیز اے عزمِ ستانہ چل
 وہ سلمائے صحرائے ہومضطرب
 رہ دوست میں عذر خواہانہ چل
 حریفوں کی چالوں سے غافل نہ ہو
 کھٹن وادیوں میں حریفانہ چل
 غزالوں کی آبادیاں ہیں قریب
 غزل خوانیاں کہ غزالانہ چل
 بہت اجنبیت ہے اس شہر میں
 چل اے دل ! سوئے شہرِ جانانہ چل

خلوت نامہ

کام جاں۔ تو نے کل اک شخص سے اے دل پایا
جس پہ مائل تھا اُسے لطف پہ مائل پایا
دُرِ ناسفتِ خوبی گہرِ دُرِ جِ شباب
تو نے اس دولتِ گم گشتہ کا حاصل پایا
شاہِ حُسن کو جلوہ گرِ خلوت دیکھا
لیلیٰ ناز کو آسودہ محل پایا
نہ کوئی متاعِ شرم نہ آئینِ حیا
نہ کسی فاصلہ ناز کو حائل پایا
خلشِ تن کا ہوا۔ راحتِ جاں میں احساس
کربِ لذتِ طرب و صل میں شامل پایا
تو نے کل رات تمنائے ہم آغوشی میں
خود کو محبوب ہم آغوشی کا بل پایا

تو نے اپنے کو سربستہ آہوئے جمال
 مادہ شیر گرسنہ کے مفتابل پایا
 اک حسینہ کو بڑے ناز سے دیکھا برہنم
 اک غزالہ کو بڑے شوق سے گھائل پایا
 خم بازو سے جو نکلے تو خم گردن میں
 کبھی اُن کو کبھی اپنے کو حائل پایا
 سعی قربت میں کبھی عشق کو دیکھا دلریش
 زخم و صلت سے کبھی یار کو بسمل پایا
 اُف وہ پیوستگی لعل لب و لبوسہ شوق
 خضر آوارہ نے خود کو کس منزل پایا
 اُف وہ آویزشِ دست و کمر و سینہ و سر
 دوست نے دوست کو یوں بد مقابل پایا
 اُمن آغوش میں شورش وہ ہم آغوشی کی
 اک تلامس سا پس دامن ساحل پایا
 عشرتِ وصل میں وہ کشمکشِ فصل کہ ہلے
 ہم نے اک راحتِ آساں کو بمشکل پایا

جس پہ تہمت تھی ہمیشہ سے دل آزاری کی
 اُس کو سینے سے لگا یا تو ہمہ دل پایا
 جس پہ الزام تھا پاکیزگی دامن کا
 اُس حسینہ کو چوڑا، تو نہ ساحل پایا
 ہائے وہ جسم ہیں اک پیکر نازک کا نفوذ
 یعنی اپنے میں کسی شخص کو شامل پایا
 ہائے وہ رُوح ہیں اک جلوۂ عیاں کا حلول
 اور اس طرح کہ خود کو بھی نہ حائل پایا
 تو نے اے خواب پریشاں! شکن بستر میں
 چین ابروئے حسینہ کو بھی شامل پایا
 تو نے اے شورِ ہوس! برہمیِ جاناں میں
 دخل جمعیتِ خاطر کو بھی داخل پایا
 رنگِ پیرا ہن کا ہنس کی جو سُرخ چھوٹی
 شفقِ حُسن کو نظروں کے مقابل پایا
 اُن کے ماتھے پہ جو افشاں کی دھنک سی ٹوٹی
 کتنے تاروں کا چراغاں سرِ محفل پایا!

اُس ستم پیشہ کی زلفوں کی لٹیں یوں بھریں
ہم نے اپنے کو گرفتِ سلاسل پایا
اُس سمن بر کے گریباں کے جوتکھے ٹوٹے
ان شکستوں کو فتوحات کا حامل پایا

الغرض حسرت و ناکامی جیسا وید کے بعد
کام جاں تو نے کل اک شخص سے اے دل پایا



جودن میں یادِ درخ و زلفِ یار کرتے ہیں
وہ لوگ رات میں کیا کار و بار کرتے ہیں؟



تَضَادِ بَشَر

عجب تضادِ بشر ہے۔ خوشا تضادِ بشر؛
 کہ اک بدلیۂ تخیلیتِ کائنات مگر
 یہ کیا کہ پردہ درِ غیب جس کا ذوقِ شہود
 پہنچ سکے پس دیوار بھی نہ اُس کی نظر
 یہ کیا کہ منزلِ الہام جس کا قلبِ سلیم
 وہ اپنے نقشِ کعبِ پاکی پاسکے نہ خبر
 یہ کیا کہ عالمِ ارواح جس کی جولاں گاہ
 خود اپنے کشورِ تن میں نہ کر سکے وہ گذر
 یہ کیا کہ لشکرِ اجسام کا جو میرِ سپاہ
 خود اپنے جسم کے زنداں میں ڈالے وہ سپر
 یہ کیا تضادِ بشر؟

یہ کیا تضادِ بشر ہے؟ یہ کیا تضادِ بشر؟

ازل سے جس کی کفِ خاک میں اُبد کا فروغ
 خود اس کا شعلہ ہستی بقدرِ نقصِ شرر
 فتوحِ نفس و آفاق پر جو قادر ہو
 خود اپنے نفس میں پائے نہ کوئی روزِ در
 نفوذِ ذہنِ حقائق کا اَدعا جس کو
 خود اپنے آپ سے گزرے تو کر سکے نہ گذر
 یہ کیا کہ فاتحِ ابوابِ کائنات جو ذہن
 خود اپنے خول میں سمٹا ہوا بخوف و خطر
 یہ کیا تضادِ بشر؟

یہ کیا تضادِ بشر ہے؟ یہ کیا تضادِ بشر؟
 جو حکمِ رانِ قضا و تدبیر کہے خود کو
 عجب کہ حکمِ قضا سے نہیں خود اُس کو مفر
 حکیمِ علمِ عناصر جو زندہ جاوید
 خود اختلالِ عناصر سے اُس کی جاں کو ضرر
 جو نکتہ دانِ حدوث و قدم بہ علمِ قدیم
 عجب کہ اپنے حوادث سے آپ ہی مضطر

فشارِ غم سے ہوئی جس کے ذہن کی تشکیل
 وہ تاب لاند کے نیش غم کی ایک پہر
 جو خونِ دل سے لکھے سرگزشتِ مستقبل
 خود اپنے حال سے غافلِ مذہب کمالِ خبر
 وہ جس کے نفس میں مضمحلِ ارض و سما
 خود اپنے علم سے عاجز رہے بلوغِ نظر
 یہ کیا تضادِ بشر؟

یہ کیا تضادِ بشر ہے؟ یہ کیا تضادِ بشر؟
 ستارے جس کے لئے آسمان پہ چٹم براہ
 نشیبِ ارض میں اس کو قدم قدم پہ خطر
 عجب کہ خاک پہ در ماندہ نشیب و فراز
 وہ جس کے زیرِ قدم جبرئیل کے شہ پر
 عجب کہ فرشِ زمیں پہ اسیرِ لپٹ و بلند
 وہ جس کی فکرِ رسا کا مقام گردوں پر
 نگاہ جس کی ہو پردہ کشائے نورِ سما
 حجابِ تیروۃ ارض اس کو اک حجابِ نظر

شگافِ سینہ ذرات میں سما جائے
 وہی کہ جس میں غروبِ اک جہانِ شمس و مہر
 سواِ ظلمتِ شب ہیں بھٹک کے رہ جائے
 وہی کہ جس کی جبین سے طلوعِ نورِ سحر
 یہ کیا تضادِ بشر؟

یہ کیا تضادِ بشر ہے؟ یہ کیا تضادِ بشر؟
 وہی کہ وسعتِ کون و مکاں میں تھا دل تنگ
 یہ کس کی قبر ہے اے زائرینِ خاکِ سبر!
 وہی کہ عرصہٴ فنا میں تھا بالِ کشا؟
 یہ کس کی خاک ہے لے کر دبا درِ راہِ گذر
 وہی کہ خلعتِ گل - جس کا جامہٴ صد رنگ
 یہ کس کا پیکرِ بے رنگ ہے تہہٴ چادر
 وہی کہ عطرِ چمن جس کی نگہتِ انفاس؟
 یہ کس کی بوئے پریشاں ہے لے کر نیمِ سحر
 یہ کون ہے کہ ہے راہِ طلب میں آوازہ؟
 وہی کہ جس کی طرف کائنات - گرمِ سفر

یہ کون ہے کہ ہے خوفِ اجل سے آزرده؟
وہی کہ جس میں حیاتِ دوام کے جوہر

یہ کیا تضادِ بشر؟

یہ کیا تضادِ بشر ہے؟ یہ کیا تضادِ بشر؟

وہی کہ صاحبِ دل ہے وہ یوں بہ قلبِ نگار؟

وہی کہ جانِ جہاں ہے وہ یوں بہ دیدہ تر؟

وہی کہ نازشِ کُن ہے وہ یوں کمینہٗ خلق

وہی کہ اہلِ نظر ہے وہ یوں ستم کش زر

یہ کیا تضادِ بشر؟

عالمِ نازِ افروز

فشارِ غم سے دل ہے یوں کبیدہ
کہ جیسے کشتی سیلابِ دیدہ
مری ہستی بساطِ زندگی پر
فقط اک قطرہ اشکِ چکیدہ
ہوا جاتا ہوں سوزِ غم سے تحلیل
کہ جیسے شبِ نیمِ خورشیدِ دیدہ
جہاں کتنے مسافر کھو گئے ہیں
چلا ہوں اُن منازل میں جبریدہ
متاعِ دیدہ و دل کی یہ توہین؟
جنوں بے دل، بصیرت کورِ دیدہ
گرہِ دل کی ہے اب تک ناکشودہ
شرابِ جاں ہے اب تک ناکشیرہ

میں اک دل ہوں مگر اخلاص کشتہ
 میں اک گل ہوں مگر گلچیں گزیدہ
 خود اپنی جستجو میں کھو گیا ہوں
 مثال طائر رنگ پریدہ
 خود اپنے آپ میں گم ہو گیا ہوں
 بان نگہت گل ہائے چیدہ
 نہ جذبہ ہے کوئی شائستہ دل
 نہ جلوہ ہے کوئی شایان دیدہ
 پسند آئے گا کیا فکرِ جواں کو
 یہ وقت سالِ خوردہ سن رسیدہ
 یہاں انساں ہے خود انساں سے ہنزار
 یہاں آدم ہے خود آدم گزیدہ
 کسی میں زندگی باقی نہیں ہے
 دل و دیدہ ہوں یا فکر و عقیدہ
 کسی میں تازگی ملتی نہیں ہے
 دما کٹم ہوں کہ اخلاقِ حمیدہ؟

مگر ہاں . فطرتِ خلاق . میری
 نہیں مایوسِ تخلیقِ جدیدہ
 مرے ذہنِ رسا پر جلوہ گر ہے
 نیا اک عالمِ نا آئندہ
 انوکھی ایک شامِ ناشگفتہ
 نرالی ایک صبحِ نادیدہ
 یہ دنیا جس کی پیشانی پہ تحریر
 حیاتِ نو کا نقشِ برگزیدہ
 حیاتِ نو کی روحِ آفرینش
 مساوات و اخوت کا عقیدہ
 وہ دنیا جس کے مردانِ جہاں سنا
 مئے تخلیق کے لذت چشیدہ
 وہ انساں علم و عرفاں ہیں جو یکتا
 وہ آدمِ آدمیت ہیں جو چیدہ

بَحْضَرَتِ یَزْدَاں

حالِ بشر بحضرتِ یزداں کہا گیا
پوچھیں مَلائِکَہ تو کہو ہاں کہا گیا
رودادِ بد نصیبیِ آدم سنی گئی
انسانِ خرابیِ دوراں کہا گیا
علمِ بشر پہ جہل کی پھٹی کسی گئی
داناے روزگار کو ناداں کہا گیا
مظلوم کُن کو ظلم کے طعنے دیئے گئے
منکر و نظر کو جراتِ عصیاں کہا گیا
جو ہر طرازِ آئینہ کائنات کو
آئینہ دارِ دیدہ حیراں کہا گیا
منزل شناسِ مرحلہ ہست و بود کو
عفریتِ مرگ و غولِ بیا باں کہا گیا

اُن رے ستم طرازی قدرت کہ جبر کو
 آزادی ارادہ انسان کہا گیا
 اُن رے فریب کاری خلقت کہ خلق کو
 نیزنگ آفرینش دوران کہا گیا
 آپ بقایں لطف بقا کیا کہ موت کو
 زہرِ عجم حیات کا درماں کہا گیا
 لطف حیات کیا کہ نمود حیات کو
 افسونِ جسم و شعبہ جاں کہا گیا
 پھر خیر و شر میں مشرق کریں بھی تو کس لئے
 ہر شر کو خیرِ محض کا عنوان کہا گیا
 صد حیف اے قبیلہ عرفان و آگہی
 ہر جہل کو ذریعہ عرفان کہا گیا
 افسوس اے مجاہدہ علم و اعتقاد
 ہر وہم کو وسیلہ عرفان کہا گیا
 اے کفر ناز کر کہ تجھے بھی بطور خاص
 من جملہ لوازمِ ایمان کہا گیا

اے شرک! مر جا کہ تجھے بھی بہ احتیاط
 توحید کی حقیقت پہنچاں کہا گیا
 سامان صد تجلی واسباب صد جمال
 پھر بھی نظر کو بے سرو ساماں کہا گیا
 پیغام صد تسلی و پیمان صد وصال
 پھر بھی طلب کو مایہ حرماں کہا گیا
 اک قلب دردمند کو بخشا گیا جنوں
 اک جان نامراد کو جاناں کہا گیا
 اک حادثے سے ارض کو تشبیہ دی گئی
 اک واسعے کو گنبد گرداں کہا گیا
 کچھ ذرہ ہائے خاک کو چن کر بہ لطف نانہ
 ماہِ منیر و مہرِ درخشاں کہا گیا
 کچھ قطرہ ہائے آب کو لیکر بہ فیض وجود
 گرداب و بحر و ساحل و طوفاں کہا گیا
 تکمیل جب مراحلِ دوزخ کی ہو چکی
 ہر مرحلے کو روضہ رضواں کہا گیا

عبرت کہ ایک بندہ ایمان سرشت کو
 زردشتی و یہود و مسلمان کہا گیا
 حیرت کہ اک مکالمہ لا کلام کو
 سر زبور و آیہ قرآن کہا گیا
 لکھنے کو اک صحیفہ معنی لکھا گیا
 کہنے کو ایک دفتر عرفاں کہا گیا
 لیکن اس علم و خبر معتبر کہاں ؟
 سب کچھ بہ ذیل "خواب پریشاں" کہا گیا

○

السلام

تسلیم عرض جلوہ گرانِ دیارِ ناز!
اے آہوانِ وادی گل بار السلام
اب تم سے اپنا ربط ہوا ہے براہِ راست
اے کج زوانِ سادہ و پُرکار السلام
اب تم سے اپنا کام پڑا ہے بطرِ خاص
اے خاصگانِ خلوتِ اسرار السلام
ہم آگئے حُدودِ در و بام پھاندر
اے شاہانِ روزنِ دیوار السلام
ہم آگئے قیودِ رہ و رسم توڑ کر
زندانیانِ گیسوئے خمدار السلام
ہم ہیں گروہِ شوق و تمنّا کے سربراہ
ہاں اے قبیلۂ لب و رخسار السلام

ہم ہیں سپاہِ عہدِ بہاراں کے پیش رو
 ہاں اے حدیثِ گل و گلزارِ سلام
 ہم ہیں دیارِ مے کے پرانے سپاہِ مست
 نو واردانِ حناۃِ خمارِ سلام
 ہم ہیں بساطِ عشق کے کہنہ قمارِ باز
 اے شاطرانِ تازہ و طرارِ سلام
 اے زندگی کی موجِ گراں بار! الوداع
 لے عاشقی کے سیلِ سبک سارِ سلام
 اے شکوہِ حوادثِ ایام! الفراق
 لے نغمہِ لطافتِ افکارِ سلام

کتنی صبحیں تھیں کہ نذرِ فکرِ دنیا ہو گئیں
 کتنی شبائیں تھیں کہ غرقِ جامِ صہبا ہو گئیں
 تو نے سوچا بھی کبھی اے بختِ بیدارِ فراق
 وصل کی راتوں کو کیا ہونا تھا اور کیا ہو گئیں

دورِ لکھا

بزمِ حاضر میں ملی تفتیر پر پروانہ مجھے
خود جلا جاتا ہوں ادروں کو جلا سکتا نہیں
شاخِ دیریاں کا مغنی، عہدِ ہرما کا پرند
موسمِ گل کے رسیلے گیت گا سکتا نہیں
جلوۂ بے رنگ، قیدِ آنہ سے ہے بلند
جو ہر زنگارِ خرد کو جگمگا سکتا نہیں
العطشِ گویاںِ صحرائے تمنا! الفراق
خشک چشمہ ہوں کسی کے کام آسکتا نہیں

عہدِ حاضراکِ دورا ہے امیدِ وسیم کا
قافلہ کس سمت مڑ جائے بتا سکتا نہیں

عہدِ نو کے سوال

ہم دموا! ہم نواؤ! ہم کاروا!
 اے نئے عہد کے قلم کاروا!
 اے نئے قافلوں کے ہم سفر وا!
 اے نئی زندگی کے راہ برو!
 نئی محفل کے بزم آراؤ!
 نئی دُنیا کے کوہ پیمائو!
 تازہ گفتار و تازہ کار ہو تم
 زندگی کی نئی بہار ہو تم
 عہدِ نو کا ہر اولی دستہ!
 تم ہر اک راہ میں کمر بستہ
 آہِ شب کی نرم سیر ہو
 تم سحر خیز طائروں کی نوا

وقت کا جلوہ جہاں افروز
 تم حیاتِ جدید کا نوروز
 تم ہو پاکیزہ و شگفتہ و صاف
 پہلی بارش کا قطرہ شفاف
 تم ہو نسر وادے کا آئینہ
 صبح نو کی شعاعِ پیشینہ
 زندگی کا دماغ وقت کا دل
 تم جبینِ عروسِ مستقبل
 ثمرِ پیشِ رُس بہ رنگِ قبول
 شاخِ عصرِ رواں کا پہلا پھول

ناز پروردگانِ لوح و قلم!
 تم سے تخلیق و ارتقا کا بھرم

اے کشائندگانِ پردہِ حبا!
 اے نمائندگانِ فکرِ جوا!
 جاں نسا خا مشی کا گیت سہی
 آج کچھ تم سے بات چیت سہی

تم نے سوچا بہادرانِ عزیز!
 شعر کیا شے ہے زندگی کیا چیز؟
 اصل اندیشہ و سخن کیا ہے
 اہل فن کس لئے ہیں فن کیا ہے؟
 ہم کہ ہیں آب و خاک و آتش و باد
 کیوں اذلی گیر؟ کیوں ابد بنیاد؟
 ہم ہیں با وصفِ قیدِ سمت و جہت
 کیوں ہے یہ لامکانیت کی صفت؟
 ہم میں یہ ماورائے نقش و نگار
 کیوں ہے اک حسنِ سرمدی کا نگہار
 کس زمان و مکان سے آئی ہے؟
 زندگی خود کہاں سے آئی ہے
 جسم و جاں میں یہ ہجر و وصل ہے کیا
 خود زمان و مکان کی اصل ہے کیا
 مرکزِ نشو و ارتقا کیا ہے؟
 ابنِ آدم کی انتہا کیا ہے؟

ہم کہ زندانی سنین و شہور
 ہم میں کیوں لا نہایتی کا شعور؟
 جب شمارِ نفس ہے نفسِ حیات
 کیوں گمانِ حیات بعدِ ممات؟
 ایک سے بڑھ کے ایک ہی یا ایک؟
 مختلف ہے کہ اصلِ اشیا ایک؟
 اور پھر یہ لطیفہ ہائے جمال
 خوبی و خیر و صدق و حسن و کمال
 دلبری کیوں ہے دلربا کیا ہے
 غمزدہ و عشوہ و ادا کیا ہے
 عاشقی کس بلا کو کہتے ہیں
 حُسن کس کس ادا کو کہتے ہیں
 کیا ہے آرامِ جان و لذتِ تن
 نقشِ قامت و نقوشِ بدن
 خالِ مُشکیں و حسدِ نورانی
 شکنِ زلف و چینِ پیشانی

کیوں یہ نظارہ و نظر کا فنوں؟
 لب گل رنگ و عارض گلگوں
 دست و داماں میں کیا تعلق ہے؟
 جان و جاناں میں کیا تعلق ہے؟
 کیا ہے سرمایہ سکوت و سخن
 لطف فن کاری و لطافت فن
 عالم سرخوشی و خوش باشی
 نغمہ و شعر و رقص و نقاشی
 کیوں یہ آخر "انا" کی خود نگری
 ذوقِ تزیین و شوقِ جلوہ گری
 حُسن کے شعبدوں سے قطع نظر
 کیا ہے خود سے گزشتِ نوعِ بشر؟
 کیوں یہ انسانیت کا ادج و زوال
 کیوں یہ تہذیب کا سبوت و کمال
 مختلف دور مختلف انسان
 مصر و یونان و بابل و کنعان

کبھی انجسَام اور کبھی آعزاز
 کیوں یہ تہذیب کا شیب و فراز؟
 کار و سرما سماج میں اضداد
 کیوں یہ آخر معاشرے میں فساد؟
 کیا ہے قوموں کی اصل مرگِ حیات
 کیوں ثقافت کے تہہ بہ تہہ طبقات؟
 کیوں یہ تخلیق و سکرو فن ہر آن
 فلسفہ - شعر - تجزیہ - وجدان
 اے نئی زندگی کے معمارو!
 اے نئی نسل کے قلم کارو!
 تم کہ فکرِ جدید کے سرزند
 عہدِ نو کے سوال ہیں یہی چند
 آج موضوعِ فکر و فن ہیں یہی
 یہی سرمایہ سخن ہیں یہی
 ہم دموا! ہم نواؤ! ہم کارو!
 اے نئے عہد کے قلم کارو!

قَصْدُ مَرْحَلَةِ وَحْدَانِيَّةٍ

آؤ اپنے کو خضرِ راہ کریں
قصدِ مرغِ وغریمِ ماہ کریں
پستیوں سے بلند تر ہو کر
آں سوئے ہر دمنگاہ کریں
بوالبشر تھے گناہ گارِ عروج
ہم بشر ہیں وہی گناہ کریں
جن کو جنت میں چھوڑ آئے تھے
ان سے تجدیدِ رسمِ وراہ کریں
جن کو قد و سیت کا دعویٰ ہے
ان کی منہ و عمل سیاہ کریں
جن کی معصومیت مسلم ہے
اُن کو مستی میں انتباہ کریں

محفلِ حوریاں میں در آئیں
 اور بے ساختہ گناہ کریں
 خیمہ نور میں اتر جائیں
 پھر سے اپنے کو رویاہ کریں
 تاجِ تیرہ خاکِ داں میں قیام
 سیرِ افلاک گاہ گاہ کریں
 پیرِ گردوں کا حکم ہے کہ مرید
 ترکِ آدابِ خانقاہ کریں
 ہم ہیں ستیاریہ گریستارہ طراز
 چاند تاروں کو فرشِ راہ کریں
 عالمِ خاک ہے بہت محدود
 نصبِ گردوں پہ بارگاہ کریں
 ہم کہ ہیں رُوحِ عالمِ تخلیق
 قلبِ کون و مکاں میں راہ کریں
 کرۂ ارض صرف اک دہلیز
 آدابِ سیرِ جلوہ گاہ کریں

مہر و مرتخ و زہرہ و ناہید
 تاجکاران سے ہم پناہ کریں
 قیدِ افلاک سے گزر جائیں
 اپنی ہستی کو بے پناہ کریں
 ذکرِ خورشید و کہکشاں بکثرت
 تاجکارِ منکرِ برگ کاہ کریں
 چھین لیں تاجِ زرستانوں سے
 سرگردوں کو بے کلاہ کریں
 ہم کہ خود صنائعِ عجائب ہیں
 مدحتِ صنعتِ الہیہ کریں؟
 ایک حیرت کا کارخانہ ہے
 جس کو دیکھیں حدِ ہر نگاہ کریں
 راز کھل جائیں نخلِ طوبی کے
 فاش اگر پردہ گیاہ کریں
 قلبِ ذرہ میں گر خلش ہو رہی
 صد ہزار آفتاب آہ کریں

قصدِ رفعت بجا۔ مگر فی الحال
 کامِ پستی کے رُو بُراہ کریں
 سنتِ ابوابِ مہرِ و ماہ سے قبل
 ثبتِ ذروں پہ مہرِ ماہ کریں
 یوں سنواریں نگارِ خانہ فرش
 عرشِ والے بھی واہ واہ کریں
 اک نئے عہد کی بنا ڈالیں
 عالمِ کہن کو تباہ کریں
 آدمی ہے پناہ ہر دو جہاں
 آدمی کو جہاں پناہ کریں



شاملِ صحبتِ مے ہم نہیں ہونے پاتے
 بعض اسبابِ فراہم نہیں ہونے پاتے

جَوہری حکمد

یہ کیا نظام ہے اے آسمانِ سفلیہ شعار
یہ کیا مذاق ہے اے روزگارِ ناسنجار
زمین ہے عرشِ میکینوں کے دیئے تخریب
فلک ہے خاکِ نشینوں کے دیئے آثار
ہزار عازمِ تسخیر ہر دم ہو کوئی
ہنوز غیرِ مسخر ہے خاکِ تیرہ و تار
وہاں مشاہدہ غیب کا سوال ہی کیا
جہاں نظر سے نہاں جلوہ پس دیوار
وہاں ہو کشفِ حقائق کا اذعاس کو
جہاں حواس پہ ہو علم و معرفت کا مدار
یہ کائنات ہے کیا اک بدیعہ پُر ہول
یہ کائنات ہے کیا اک لطیفہ قہار

یہ کائنات ہے کیا عرض جو ہر تخلیق
 یہ کائنات ہے کیا اک وجود جو ہر دار
 حدود کون و مکاں تنگ تر نظر آئیں
 اگر ہو نقش کف پا کی وسعتوں کا شمار
 بہار اہل چمن کی نگاہ میں نہ بچے
 خزاں جو فاش کرے برگ خشک کے اسرار
 فقط لطافت گل ہے نگاہ گلچیں میں
 فغاں کہ آنکھ سے مستور ہے نفاست خار
 رقیب وسعت صحرا ہے "ذره پر تاب"
 حریف عظمت قلم ہے قطرہ ذخار
 اگر شجر کو جھنجھوڑیں برس پڑیں صحرا
 اگر حجر کو پچوڑیں ٹپک پڑیں کہسار

یہاں چہ عمر بشر اور چہ عمر نوع بشر
 بہت کہوں تو بس اک لمحہ نمودِ شرار
 یہاں چہ عقل بشر اور چہ عقل نوع بشر؟
 بہت کہوں تو بس اک پیر تو سرابِ آثار

ہزار آدم و عالم ہزار خالق و خلق
ابھی ہیں عرصہ تخلیق میں بہ شکلِ غبار
ہزار کون و مکان صد ہزار کون و مکان
ابھی ہیں معرضِ خلقت میں واہمہ کردار

قضاً امر و ظہورِ مشیت و تفتدیر
فقط تو اتر کون و تسلسلِ اعصار



ملفوظات

شام سے آج دل پہ طاری
نیم خوابی و نیم بیداری
صورت آگہی و بے خبری
عالم بے خودی و ہشیاری
نہ کوئی نسخہ سبک دہی
نہ کوئی چہارہ گرانباری
نیم دادیدہ خمار آلود
نیم بستہ طلسم بیداری
جب ذرا بند ہو گئیں آنکھیں
کھل گیا روزنِ خبرداری
گوشہ تنگ و حجرہ تاریک
اللہ وہ تنگی و تاری

رات کے کچھ عجیب سے تیور
 صبح محشر کی جیسے تیاری
 ہر طرف اک عجیب سا ماحول
 وحشت و خوف و یاس و بیزاری
 جس وسعت کی اک مہیب فضا
 کائناتِ حواس پر طاری
 جس طرح کچھ خبیث دھوکوں کی
 دہریں ہر طرف عمل داری
 چار سو پر شاں اندھیروں میں
 بہمہ ساحری و عیاری
 ایک آوارہ آتشیں مخلوق
 ایک نادیدہ فرستہ ناری
 کچھ تو خلوت سے جی بہت ہلکان
 کچھ طبعیت پہ بوجھ سا بھاری

سوچتا تھا کہ اے خداے کریم!
 تاکجسا رسم بندہ آزاری؟

کیوں اچانک جہاں میں اذنِ قیام
 کیوں یکایک سفر کی تیاری
 دل بیدار، قلب کا آزار
 چشمِ بینا، نظر کی بیماری
 کاشش فکر، فکر کا ہش جاں
 کادش غم، جسِ راحتِ کاری
 جہل و ظلمت کی اُن گنت صدیاں
 اُنقِ علم و عفتل پر طاری
 تاجِ کارگاہِ ہستی میں
 یہ تصادات؟ ایزدِ باری!
 چند انفرادِ برگزیدہ خلق
 جن کے قبضے میں نعمتیں ساری

اور باقی تمام نوحِ بشر
 نذر جور و نشاءِ خواری

جنسِ ناکارہ جنسِ پُرمایہ
 جیبِ خالی کی گرم بازاری

فکر و فن پر تسلطِ اوہام
 علم پر جہل کی جہاں داری
 عزمِ تعمیر و شیوہٴ تخریب
 طرح اندازی و تہہ کاری
 یا ابھی مشتبہ خاک کے احکام
 کشورِ مہر و ماہ پر جاری
 یا ابھی فاتحِ دو عالم پر
 ایک ڈرے کا ذرہ بھی بھاری
 آج بھی بد نصیبِ آدم زاد
 صورتاً نور سیرتاً ناری

آج بھی نامراد نوعِ بشر
 ہمہ آزادی و گرفتاری

جوہرِ عقلِ اولین "انساں"
 اور یہ جوہری تہہ کاری؟
 حاصلِ علمِ آخرین "آدم"
 اور یہ علم کی ستم گاری؟

اشرفِ خلق . ارذلِ مخلوق
 ہائے یہ سادگی و پرکاری؟
 کس سے سیکھی ہے تیرے بندوں نے
 اے خدا! خوئے دوست آزاری
 آج بھی زندگی کا سرمایہ
 جہل و اندلس و ذلت و خواری
 آج بھی مشتبہ خاک کی تقدیر
 کس پر کسی و بیچ مقداری

دُورِ حاضر کے اہل دانش بھی
 عہدِ ظلمت کے ترک و تائاری

جب ہماری سرشت تھی یارب
 غفلت و لغزش و گنہہ گاری
 ہم کو بخشی گئی امانتِ خاص
 ہم کو سونپی گئی نگہِ داری
 اے خداوندِ تادرو جب بار
 کیوں یہ تقدیر کیوں یہ جباری؟

مرزا غالب

مرزا غالب سے باز دید اپنی
عالم خواب میں ہوئی کل رات
اسد اللہ خان غالب وقت
اللہ اللہ وہ رند خوش اوقات
وہ بفتا کو فنا کا تحفہ شوق
وہ عدم کو وجود کی سوغات
جس کے ہر لفظ میں نہاں اک مز
جس کی ہر بات میں نہاں اک بات
مُوبہ مُو وہ صفات کا محرم
دُوبدو وہ حریف جلوہ ذات
دیکھتا کیا ہوں حوض کوثر پر
شاعروں کے وہ قبلہ حاجات

غرق دریاے کیف ہیں بلکہ
غرق دریاے کیف و کیفیات

فکر افروز جس کی صنعت فن
صانع فکر جس کی مصنوعات
وہ خود اپنے خیال کی مخلوق
حائب ذہن جس کی تخلیقات
وحی و الہام و آیہ و الفتا
جس کے اعجازِ شعر میں اک بات
کشف و وجدان و خرقِ عادت و سحر
جس کے افسونِ فن کے نیرِ نجات
وہ تماشائے جہاں تماشائی
مرزا "نوشہ" تو اہلِ ذوقِ برات
دل تھا مغلوبِ غالبِ مرحوم
میں نے بعد از ادائے تسلیات

اسد اللہ خان غالب سے
اس طرح کی گذارشِ حالات

شوقِ بے تاب کھینچ لایا ہے
 کعبِ شوق و قبلۂ حاجات
 کہیئے باغِ بہشت میں کیا ہیں
 آپ کے صبح و شام معمولات
 کہیئے کس طرح سے گزرتے ہیں
 خلدِ رضواں میں آپ کے دن رات
 موت کے بعد بھی ہے کرب افزا
 بندِ غم اور رنجِ قیدِ حیات
 کیا یہ سچ ہے کہ جانِ دل کے لئے
 موت ہے بند دو جہاں سے نجات
 کوئی اجبرِ کشاکشِ ہستی؟
 کوئی شکلِ تلافیِ مافات؟
 کیا یہی ہے حقیقتِ شبِ مرگ؟
 صبحِ تازہ سے حاملہ اکرات
 کیا یہی ہے وجودِ خوابِ عدم
 ایک بیدار مئی لطیفِ حیات

پیسہ و مرشد! مرید کہنے سے
 کچھ تو ارشاد۔ بلکہ ارشادات
 سُن کے مہمل سی گفت گو میری
 ہنس دے غائب ستودہ صفات
 بادۂ سلسبیل و کوثر سے
 مست و مخمور تھا وہ عارف ذات
 مرزا نوشہ نے مجھ سے فرمایا
 ہم نے سُن لیں تمہاری معروضات
 حال و ماضی میں کوئی فرق نہیں
 مختصر ہے یہ صورتِ حالات

وہی ذوقِ دوام و خوفِ حدوث

پوچھتے کیا ہو میرے احساسات

وہی شامِ فراق و صبحِ وصال

یہی دن رات تھے یہی دن رات

وہی قیدِ حیات و بندشِ غم

وہی منکرِ مآل و ذکرِ نجات

اُفقِ زندگی پہ طاری ہے
 ابدیت کی جاودانہ رات
 کیا ہے یہ کائناتِ کن فیکون؟
 قطرہ از محیطِ موجودات؟
 کیا ہے یہ عالمِ وجود و بقا؟
 ذرہ از جهانِ مخلوقات!
 موت؟ اکِ ثانیے کی خاموشی
 یا اچانک سکونِ ادراکات
 خلوتِ قنبر سے نکلتی ہے
 اس طرح بنِ سنور کے روحِ حیات

جس طرح بطنِ شب سے جلوہٴ صبح
 جس طرح بادلوں سے چاندنی رات
 صحن ہی صحن ہے درونِ حجاب
 نور ہی نور ہے پسِ ظلمات
 لیکن اس عالمِ عجیب میں بھی
 طرفہ تر ہیں عجائباتِ حیات

ہم کو اب تک نہیں یہ علم کہ ہم
 کون ہیں کیا ہیں اور کیوں؟ ہیہات
 کون، کیوں اور کیا؟ یہ تینوں لفظ
 جو سمجھ میں نہ آسکے وہ بات
 نہ کوئی چسبہ بالقوی حادث
 نہ کوئی شے قدیم تر بالذات

مختصر یہ کہ ہم وہاں ہیں جہاں
 نہ زمان و مکان نہ سمت و جہات

نہ ظہورِ بدایت و آعزاز
 نہ حدودِ نہایت و غایات
 رُوح کے بھی وہی مسائل ہیں
 جسم کا جن سے واسطہ دینا
 کبھی اک منزل ہو پوزوال
 کبھی اک درجہ عروج و ثبات
 حرکت، مادہ، توانائی
 آفرینش۔ عدم شعور۔ حیات

کچھ نہیں اک جمالِ ذات پہ ہیں
صد حجاباتِ رنگ رنگِ صفات

اور یہ بھی متمم و ہم و گماں
اور یہ بھی متمم مفروضات



چہرہ وقت بظاہر تو ہے گلگوں لیکن
کون خونِ نابِ نشاں ہے۔ یہ مجھے کیا معلوم؟
زندگی شعلہ بجاں ہے۔ مجھے تسلیم دے
کس لئے شعلہ بجاں ہے۔ یہ مجھے کیا معلوم؟
تافلہ اہل تمنا کا رواں ہے تو مگر
کس تمنائیں رواں ہے؟ یہ مجھے کیا معلوم؟



آلشافاتِ خاں

ہم نے جب انکشافِ خاک کیا
جگرِ ذرہ چاک چاک کیا
جگرِ چاک چاکِ ذرہ کو
کارِ زمانے آب و خاک کیا
رازِ تخلیقِ فاش ہونے لگے
عقل و فن نے جواشتراک کیا
ابدیت کی راہ کو ہم نے
نورِ دانش سے تابناک کیا
سچی پردہ درمی فطرت میں
اک ذرا بھی نہ خوف و ہاک کیا
شاہدِ کُن کو زندگی بخشی
ملکِ الموت کو ہلاک کیا

پردہ عذبتِ حیات کو
 اپنے ہاتھوں سے چاک چاک کیا
 رُوح کو مادی بنا ڈالا
 رُوح کو مادے سے پاک کیا
 منکر میں گتھیاں پڑیں جتنی
 منکر میں اور انہماک کیا
 ازلیت سے مشترک ہو کر
 ابدیت سے اشتراک کیا
 خاکیوں کو سرخِ نوبخت
 نوریوں کو جلا کے خاک کیا
 کسی تدبیر میں جھجک نہ ہوئی
 کسی تفتدیر سے نہ پاک کیا
 پھول سے عطرِ رنگ و بو کھینچا
 آبِ سادہ کو زہرِ ناک کیا
 نور و ظلمت میں انفکاک تھا
 نور و ظلمت میں انفکاک کیا

خیرِ مطلق تھا شر سے آلودہ
 خیرِ مطلق کو شر سے پاک کیا
 شب کو کچھ اور تیسری بخشی
 دن کو کچھ اور تاب ناک کیا
 دل کو کچھ اور حسرتیں بخشی
 غم کو کچھ اور دردناک کیا
 ہر شیب و سرازے گزے
 سفرِ قلعہ و منعاک کیا
 پستیوں کو بلندیاں بخشی
 جو سما تھا اُسے سما کیا
 جاں کو جاناں سے منسلک کر کے
 دل کا دلبر سے انلاک کیا
 ہم نے اے عقلِ سرمدی تجھ کو
 مائلِ غور و انہماک کیا
 ہم نے اے حُسنِ باطنی تجھ کو
 اور پرتاب و تابناک کیا

اپنے طرزِ تپاک سے آخر
 خود بھی فطرت کو پُر تپاک کیا
 خاک کو کیمیا بنا ڈالا
 پھر بھی شکوہ کہ ہم نے خاک کیا
 مختصر یہ کہ عفتلِ انساں نے
 ہر اک آدم ہولناک کیا
 عقل خود بھی سزا سے بچ نہ سکی
 عشق نے عفتل کو ہلاک کیا
 عشق نے اپنی سوزِ ناک سے
 دلِ آدم کو سوزِ ناک کیا

کتنی آنکھوں سے چھپن لیں نیندیں
 کتنی عقلوں کو خوابِ ناک کیا؟



وَقْتُ

دیکھ تو وقت کی عظمتِ باقیہ
سَاقِیَا سَاقِیَا سَاقِیَا
وقت کیا اک یم بے حد و بے کراں

جاوداں جاوداں جاوداں جاوداں
وقت فی الحال و فی عہدِ اسلافنا
لا فناء لا فناء لا فناء

وقت اُمراً بد وقت اصل ازل
لم یزل لم یزل لم یزل لم یزل
وقت کیا؟ وقت ہے تیز و گرم رو
نوبہ نوبہ نوبہ نوبہ نوبہ نوبہ
وقت کیا؟ کوئی جس کی تحدی نہ حد

لا عدد لا عدد لا عدد

وقت بے نام و بے نوبت و بے جہت

وقت بے شرح و بے شرح و بے صفت

وقت کی انتہا وقت کی ابتدا

وقت لا ابتدا وقت لا انتہا

وقت بے شکل و بے منظر و بے نشان

وقت بے طرف و بے صورت و بے مکاں

وقت میں ہیں آں وقت میں اب جب

وقت بے طالب و مطلب و بے طلب

خود کفیل و خود امروزی و خود مکمل

وقت کیا ۔ وقت صرف ایک سرخفی

وقت ہی غیب ہے وقت ہی شرق و

وقت خود مستلزم وقت میں غرق و

وقت اک روح باقی و جاوید ہے

وقت اک حُسن پیدا و ناپید ہے

وقت اک قرن اک سال اک دن نہیں

وقت کی کوئی تشریح ممکن نہیں

زندگی صید ہے وقت صیاد ہے
 وقت کی قید سے کون آزاد ہے؟
 حدِ شام و قیودِ سحر سے بُری
 وقت ہے کہنہ و تازہ تر سے بُری
 وقت کو ظرف کا آفریدہ نہ کہہ
 وقت پیمانہ گردِ دشنِ ہر دم
 وقت کیا؟ جلوہ کائنات آفریں
 کائنات اور کیا ہے؟ اگر یہ نہیں
 وقت میں انحطاط اور نہ کچھ ارتقاء
 وقت کا حادثہ ہے فنا و بقا
 وقت کیا؟ قسزمِ راز کی لہر ہے
 وقت والعصر ہے وقت والدیر ہے

کون سمجھے بھلا عالم کیف و کم!
 وقت کے راز ہائے حدوث و قدم

یہ حقیقت ہے اک محکم و ثابتہ
 وقت حادثِ سہی پر نہیں حادثہ

لیکن اس بحث میں ایک لیکن بھی ہے
 وقت حادث بھی ہے وقت ممکن بھی ہے
 یہ وسیلہ ہے ادراک و احساس کا
 اس سے ادراک اشیا انفاس کا
 عالم وقت کا کوئی محرم نہیں
 وقت کے ماسوا کوئی عالم نہیں
 قرن و عشر و صدی وہہ و سال کیا
 وقت ہی وقت ہے ماضی و حال کیا
 امتیاز وجود و عدم . وقت سے
 ہم جو اپنے کو کہتے ہیں ہم . وقت سے

دہریہ کس کو جرات ہے تحقیق کی
 وقت کبھی ہے اسرارِ تخلیق کی



حکیم

اک حقیقت لا تعین اک تعین بے مثال
 اک تصور لا تصور اک تخیل بے خیال
 اک نہایت لا نہایت اک تعدد لا حدود
 اک تفکر لا تفکر اک تحدد لا وجود
 وہ تہی دستی کہ جس کی دست رس میں بید رنگ
 اُن گنت سیارہ ہائے نوز و جنت ہائے رنگ
 وہ زیاں کاری کہ ہر سود و زیاں سے بے نیاز
 وہ زبوں حالی کہ خود اسبابِ صدمہ و مانِ ناز
 اسمِ بیزارِ مستی - نامِ محسوسِ نشان
 اختیارِ بے تصرفِ احتمالِ بے گماں
 وہ خلائے محض جس کی وسعتوں میں بے شمار
 کائناتِ کائنات و روزگار و روزگار

ایک امر بے ادلی الامر اک دُرّے ماوِرا
اک مُراد بے ارادہ اک سوائے ماسوا

قصد بے سمت تعین سمت بے قصد جہات
ایک ذات بے تعلق ایک وصف لا صفات
ایک دریا بے تلاطم ایک دُنیا بے ظہور
ایک شر بے قیامت ایک حشر بے نشور
شام حیرت بے ابد صبح تخیر بے ازل
وہ ازل ہا در تسلسل وہ ابد ہا در بغل
ایک ضبط بے محابا ایک نظم بے نظام
فکر ما قبل فکر نطق ما فوق کلام
کوئی اُن دیکھی تجلی کوئی اُن جانی اُننگ
اک نوا بے ساز و نغمہ اک دل بے حُن و رنگ
غیب خود جس کے مظاہر سے ہر اسماں وہ ظہور
عقل خود جس کے تفکر سے گریزاں وہ شعور

حس خود جس کو پرکھ سکتا نہیں ایسا جمال
عشق خود جس کو سمجھ سکتا نہیں ایسا وصال

ہجر جس کے تیج و خم میں مبتلا ایسا فراق
 شوق کو خود جس کا اندازہ نہیں وہ اشتیاق
 وہ خفا جس کی سرشت ابراز و اظہار و نمود
 وہ عدم جس کا خمیر آغشتہ ذوق وجود
 جہل ایسا جہل جو ہر علم کا سرمایہ دار
 نیند ایسی نیند بیداری کا جس سے اعتبار
 مادہ ایسا کہ بے تخصیص و میعاد و مواد
 کون ایسا کون جو آزاد تکوین و مناد
 اک زمان بیگانہ لیل و نہار و ماہ و سال
 اک مکان لا انتہا و لا حدود و لا مثال
 کوئی ایسی چیز ایسا واقعہ ایسا وجود
 جو ہر کون و مکان جس کی نمود بے نمود

ایک حق جسکو کوئی نسبت نہ ہو تحقیق سے
 ایک خالق جو ابھی واقف نہیں تخلیق سے
 آفرینش کا اک آئین عمل ہر آئینہ
 ہشت پہلو لعل و گوہر ہفت جو ہر آئینہ

ایک جوہر جلوہ آرا اک عرض صورت پذیر
 ایک نفس مطمئنہ۔ انفس آفاق گیر
 کیفیت بے شکل و صورت کمیت بے کیف و کم
 وہ عدم اندر عدم اندر عدم اندر عدم

حاصل اشیا جو شے آ بستان الّا جولا
 وہ خلا اندر خلا اندر خلا اندر خلا



عقل کو جس سے نصیب ایقان و عرفاں کا شعور
 عشق کو جس سے میسر عشق کا لا فانی سرور
 روح جس سے زندہ و بیدار و پُر سوز و جواں
 فکر جس سے سرِ تخلیق و عدم کی راز داں
 جو نزولِ وحی ہے تنزیلِ صد الہام ہے
 اے مری گنہگار محبوبہ! وہ تیرا نام ہے



آخرین ناکامہ

پہلے اک نغمہ بے نغمہ و ساز بے ساز
پھر کہیں غلغلہ صوت و سرود و آواز
پہلے اک جلوہ بے جلوہ و رنگ بے رنگ
پھر کہیں مرحلہ حسن و فروغ و آہنگ
پہلے اک جذبہ بے جذبہ و سوز بے سوز
پھر کہیں دلولہ شوق و غم جان افروز
پہلے اک لہجہ بے لہجہ و پیرایہ راز
پھر کہیں تذکرہ ناز و حکایات نیاز
پہلے اک دلولہ ناز بہ انداز کمال
پھر کہیں قامت بالا و سراپائے جمال
پہلے اک شیوہ مبہم کہ توجہ نہ گریز
پھر کہیں چشم عتاب و نگہ لطف آمیز

پہلے اک عشق کہ ہر ذوق و طلب سے بیزار
 پھر کہیں یہ طلب جلوہ و شوق دیدار
 پہلے اک جذبہ بالیدگی و ذوق نمو
 پھر کہیں تابش رخسارہ و تاب گیسو
 پہلے اک روشنی نگہت و رعنائی رنگ
 پھر کہیں جلوہ خوشبو و خود آرائی رنگ
 پہلے بیداری اصوات پس پردہ ساز
 پھر کہیں زمزمہ وحی و سرود شل عجاز
 پہلے اک گنج گراںمایہ اسرار نہاں
 پھر کہیں شرح و عبارات و تفاسیل و بیاں
 پہلے اک معنی بے لفظ و کلام بے حرف
 پھر کہیں نحو و بیان و ادب و منطق و صرف
 پہلے اک مادہ محض کہ جوہر نہ عرض
 پھر کہیں صورت و شکل و سبب قصد و غرض
 پہلے اک عصر کہ خود عصر میں مصروف سفر
 پھر کہیں روز و شب و سال و مہ و شام و سحر

پہلے اک طرف کہ خود طرف میں مستور و نہاں
 پھر یہ سمت و جہت و تمکنت و کون و مکاں
 پہلے اک شے فقط و مطلق و محض و معیار
 پھر یہ عرض و عمق و طول و متاع و مقدار
 پہلے اک سادہ حقیقت کہ حقائق سے بلند
 پھر کہیں رد و کد و تشریح و بیان و چہ و چند
 پہلے اک فکر مجرد کہ نہ مخصوص نہ عام
 پھر کہیں فلسفہ و منطق و تحقیق و کلام
 پہلے اک واجب مطلق کہ نہ حادث نہ قدیم
 پھر حدوث و قدم و عین و خصوص و تعمیم
 پہلے اک علت اولی کہ نتیجہ نہ عمل
 پھر کہیں ضد و ثبوت و سند و بحث و جدل
 پہلے اک قصد و شباہ گاہی و آہنگ سحر
 پھر کہیں مشتری و زہرہ و خورشید و مریخ
 پہلے اک دائرہ و ذر و محیط و انوار
 پھر کہیں ثابت و سیارہ و دور و دوار

پہلے اک نقطہ جذب و کشش واخذ و قبول
 پھر کہیں نظم نظام و محل وصل و وصول
 پہلے اک حال کہ اخفاء و تقاضائے نمود
 پھر کہیں مرحلہ غیب و تقاضائے شہود



بے ذوقِ حیات - جی رہا ہوں
 سقراط ہوں زہری رہا ہوں
 کانٹوں سے نگار انگلیاں ہیں
 ملبوس بہار - سی رہا ہوں



یادِ پارِ دلِ ستاں

یادِ پارِ دلِ ستاں آنے لگی
ساعتِ تسکینِ جاں آنے لگی
پھر چمن سے ربط پیدا ہو گیا
پھر ہوائے گلستاں آنے لگی
پھر کوئی رہ رہ کے یاد آنے لگا
پھر دلِ مُردہ میں جاں آنے لگی
مرحبا اے قاصدِ عہدِ بہار
یادِ بزمِ گلِ رُخاں آنے لگی
دل میں کوئی چٹکیاں لینے لگا
لب پہ کوئی داستاں آنے لگی

دردِ بے درماں مزہ دینے لگا
لذتِ زخمِ نہاں آتے لگی

اے موجِ نسیم

تو ہو جو وطن کی سمت راہی
اے موجِ نسیم صبح گاہی
شہلائے وطن سے جا کے کہنا
اے آیہ رحمتِ الہی !
انصاف ہے شرط فیصلہ کر
دُوری ترے در سے کس نے چاہی
وہ سرکہ ہے عظمتِ سخن سے
شایانِ عنر و رنج کلاہی
کیا آپ ہی آپ ہو گیا ہے
پامالِ حوادث و تباہی
شہلا تجھے جس نے بخش دی تھی
معمورۂ جاں کی بادشاہی
وہ دل ترے حیر پر ہو راضی
شاعر سے یہ بے دلی الہی

ہم

چھین لیں خود جو ہر اشیا جو ہوں برم سے ہم
 پھول سے خوشبو، چمن سے رنگ، بوشہم سے نم
 ہم سامر و شیر دل اور گرگ و فتنہ سے گرینہ
 خود جو ضیغم ہو اُسے کیا حملہ ضیغم سے غم
 لیکن اسکے باوجود اے دوست راہ شوق میں
 ہم نہایت کم نصیب و کم طلب ہیں کم سے کم
 گوخم و پیچ حوادث سے نہیں آشفۃ حال
 ہیں بہت آشفۃ اُن کے کیسے برہم سر ہم
 ابتداء یہ تھی کہ ذوق ہم دمی تھا اور دل
 انتہا یہ ہے کہ گھٹتا ہے دم ہم دم سے دم
 اس سے بڑھ کر غم نصیبی اور کیا ہوگی بھلا
 خرمی کرنے لگی ہے اس دلِ خرم سے رم
 خار حسرت کیا گل عیش و طرب بخشے ہیں
 شہد سے شکر ٹپکتی ہے یہاں اور سم سے سم

عاشقی سے زندگی کی لذتوں کی آرزو
 جس طرح مانگے کوئی اک چشمہ بے نم سے نم
 ہم بھی اہل دل میں ہیں دل کی بدلت و شناس
 جس طرح آفاق میں مشہور جامِ جم سے جم
 واہ ہم دونوں کی از خود رفتگی بھی خوب ہے
 آپے ہیں آپ بیگانہ خفا ہیں ہم سے ہم
 دستِ انساں میں ہے حُسنِ دو جہاں کا آئینہ
 شاہدِ فطرت نکال اب گیسوئے پر خم سے خم !
 کس کو ہے آدم کی اولادِ مکرم سے گریز
 کون کرتا ہے بشر کے رتبہ اکرم سے رم
 نغمہ ایتاریوں مخفی ہے اپنی روح میں
 ساز میں جس طرح وابستہ ہے زیرِ دہم سو ہم
 حن کا محرم ہے عشق ایسے کہ جیسے نسلک
 رنج سے رنج آرزو سے آرزو اور غم سے غم

جکارتہ مرنے

جانِ من مجھ سے بجا ہے یہ شکایت تیری
کہ مرے شعر میں ماضی کا وہ انداز نہیں
لے مجھے حافظ و خیام بنانے والی
اب مرے شعر میں سرمستی شیراز نہیں
جو تری روح کے نغموں کو جگا دیتی تھی
اب مرے پاس وہ رعنائی آواز نہیں
جو ہم آہنگ ترے زمزمہ ناز سے تھا
اب مرے بس میں وہ آہنگِ فنون ساز نہیں
کاش تو میری خموشی کی صدا سن سکتی
نغمہِ غم کے لئے حاجتِ آواز نہیں
آج دنیا کو ضرورت ہی نہیں خوابوں کی
آج دنیا میں کہیں خواب گہرے ناز نہیں
ہے کوئی اور ہی قوت جو بدلتی ہے ہمیں
دقت اور یہ نلکِ شعبدہ پرآز نہیں

مجھے کیا؟

دَرمانِ عسَمِ حیراگر ہو تو مجھے کیا؟
شہلا، تمہیں اب میری خبر ہو تو مجھے کیا؟
گل چینی جلوہ، مری قسمت میں نہیں ہے
تم صحنِ چمن میں گلِ تر ہو تو مجھے کیا
جب خاک بھی باقی نہ رہی قلبِ جگر کی
تم میرے لئے خاکِ سہر ہو تو مجھے کیا؟
اب اپنی دعاؤں پہ سہسی آتی ہے مجھ کو
اب میری دعاؤں میں اثر ہو تو مجھے کیا؟
میرے دلِ دیواں میں اُجالا نہیں ہوتا
تم غیرتِ خورشیدِ وقر ہو تو مجھے کیا؟
اچھا ہے کہ بن میرے گزر جائے کسی کی
ادریوں بھی کسی کی نہ گذر ہو تو مجھے کیا؟

اس ساز کے ٹوٹے ہوئے تاروں کو نہ چھڑو
 شہلا۔ غمِ ایام کے ماروں کو نہ چھڑو
 دنیا سے مرارنگِ طبیعت ہے، نہ رالا
 تم میری طبیعت کو سمجھ ہی نہیں سکتیں
 جس جذبہٴ وحشت نے مجھے تم سے چھڑایا
 اُس جذبہٴ وحشت کو سمجھ ہی نہیں سکتیں
 جب تک کہ محبت کی حقیقت کو نہ سمجھو
 شاعر کی محبت کو سمجھ ہی نہیں سکتیں
 جب تک چمنِ زلیبت کے کانٹوں سے نہ الجھو
 پھولوں کی لطافت کو سمجھ ہی نہیں سکتیں
 شہلا۔ مراد عوایں ہے کہ باایں ہمہ دانش
 تم عشق کی فطرت کو سمجھ ہی نہیں سکتیں
 میں لاکھ کروں تم سے تغافل کی شکایت
 تم میری شکایت کو سمجھ ہی نہیں سکتیں
 کیوں عشق ہے بیگانگی شوق کی حد تک
 اس راز کو سمجھا ہے نہ سمجھو گی ابد تک

بے شک تم ابھی تک مری نظروں میں بسی ہو
 لیکن وہ نظر اور کتنی ظالم ! یہ نظر اور
 اب تم ہو کسی اور ہی خلوت کی تجلی
 اب میرے بجائے ہے کوئی تد نظر اور
 چاہوں بھی تو اب تم سے رفاقت نہیں ممکن
 تم غنیر کے ہمراہ مری راہ گزر اور
 تم تک تو بہر حال رسائی نہیں دشوار
 حائل ہے مرے سامنے اک شخص مگر اور
 اللہ رے آئین محبت کی دورنگی
 آئینے کی مانند ادھر اور ادھر اور
 میں بھی ہدف شوق کوئی ڈھونڈھی لونگا
 مل جائے گا تم کو بھی نشانے پہ جگر اور

یوں میری بغاوت کی سزا دو مجھے شہلا
 میں بھول گیا تم بھی بھلا دو مجھے شہلا

خوبائے خواب

عقل نے جب عشق کو بخشی کلیدِ فحلِ خواب
کھل گئے میرے لئے شہرِ پرزواں کے باب
دیکھتا کیا ہوں کہ اک دوشیزہ نجمِ السحر
بے تکلف بے تامل بے تحیر بے حجاب
وہ شبلی انکھڑیوں پر میکدے چھائے ہوئے
مست مے مست جیا، مست ادا مست شباب
وہ لب و زباں وہ زلف و رخ وہ حُسن و تازگی
سیب و سنبل - گوہر و یاقوت - سیما و گلاب
وہ کبھی لطف تبسم وہ کبھی چین بر جبین
وہ کبھی نہر و توجہ وہ کبھی تہر و غتاب
نورِ دل - نورِ نظر - نورِ زین - نورِ جہاں
دخترِ حسن و تجلی - بنتِ ماہ و آفتاب

یہ سبک گامی پہ قرباں وہ لطافت پر نثار
 موج مے۔ موج صبا موج تجلی موج آب
 سایہ گیسو میں وہ انگڑائیاں لیتا ہوا
 عہدِ گل۔ عہدِ جوانی۔ عہدِ نو۔ عہدِ شباب
 ناز شوخی۔ ناز جلوہ۔ ناز مستی۔ ناز حسن
 کچھ تکلم۔ کچھ ترنم۔ کچھ تبسم۔ کچھ حجاب
 روئے تاباں کی ضیا۔ زلفِ پریشاں کی فضا
 صبحِ رنگین چمن۔ شامِ جمیل ماہِ تاب
 ناز سے رکھ دے اگر روئے زمیں پر وہ قدم
 آسماں بھی کہہ اُٹھے یا لیتنی کنت تراب
 مجھ سے فرمایا کہ اے محو تماشا لے رہیں
 اے ظہورِ بے تجلی اے رسولِ بے کتاب !
 آ کہ تیری فکر کو دوں تابشِ ستمس و قمر
 آ کہ تیرے شعر کو دوں نگہتِ مشک و گلاب
 آ خراب کس جلوہ پہناں کا تو ہے منتظر
 تو کہ خود تیری تجلی ہے حجاب اندر حجاب

تو کہ خود اپنے ہی پچاک تخیل کا اسیر
 تیری قسمت میں تھا زلفِ خم بہ خم کا پیچ و تاب
 تیرے کیا کیا ذکر ہیں نجمِ السحر کی بزم میں
 والقمر تیرا لقب والشمس ہے تیرا خطاب
 تو ذرا اپنی زباں سے کہہ تو دے تیری قسم
 خود اُلٹ دیں گے وہ اپنے لئے زیبا و نقاب
 تیری دانائی سے برہم ہیں ترے اصنامِ دل
 تیری بیداری سے مضطرب ہیں تم سے خوبانِ خواب

ہم یہ کہتے تھے کہ پھر جائینگے مزدوروں کے دن
 تم یہ کہتے تھے کہ ناممکن ہے پھر سکتے نہیں
 پھر گئے

ہم یہ کہتے تھے کہ شاہوں کے محل گر جائیں گے
 تم یہ کہتے تھے قیامت تک تو گر سکتے نہیں
 گر گئے

ناچ



اے شہیم گل! نہ فرشِ سبزہ رعنا پہ ناچ
 خار و خس پر رقص فرما بسینہ صحرا پہ ناچ
 رُخ نہ کر ساحلِ کالے موجِ بلا انگیزِ عشق
 سطحِ طوفاں پر مچل۔ پہنائی دریا پہ ناچ
 پاسِ آدابِ محبت تا کجا اے تیسِ عصرا
 بے تکلف رہ گزارِ نامتہ لیلیٰ پہ ناچ
 آج اے مطربِ خود اپنے نغمہِ مستی پہ جھوم
 آج اے ساتی! سرودِ ثقللِ مینا پہ ناچ
 پائے خوں آلود سے نوکِ سناں پر رقص کر
 کون کہتا ہے کہ فرشِ مَحلِ دِویا پہ ناچ

یا مسلسل رقصِ متانہ بہتوں کے سامنے
یا حرم میں معتکف ہو کر درِ کعبہ پہ ناچ
ذرہ ہائے خاک پر رقصِ غلامی تاکجا
ہم ماہ و سقفِ عشرت خانہ زہرا پہ ناچ

○

جس سے بیداری افکار کا ملتا ہے ثبوت
کتنے الفاظ و معانی کا لہو ہے وہ سکوت
خوں بہا کتنی حکایات کا اک پیار کی بات
کتنے اشکوں کا ذبیحہ ہے تبسم کی حیات
آنکھ اٹھانے سے کہیں ساعت دید آتی ہے
عمر گھٹ جاتی ہے اک سال تو عید آتی ہے

✽

وَحْشَتے

شہر کے تنگ مکانوں سے جو گھبراتا ہوں
 دُورستی سے کسی سمت نہکل جاتا ہوں
 جھاڑیاں دیکھ کے آنکھوں میں تری آتی ہے
 رُوح بے ساختہ شاداب ہوئی جاتی ہے
 خشک ٹیلوں پہ کبھی لیٹ کے سو جاتا ہوں
 اونچے پیڑوں پہ کبھی چڑھ کے ہوا کھاتا ہوں
 دور تالاب میں لہریں جو نظر آتی ہیں
 بجلیاں سی مری آنکھوں میں چمک جاتی ہیں
 فکرجب جھیل کی لہریں سے گزر جاتی ہے
 ایک ویران سے جنگل پہ نظر جاتی ہے
 وہ جہاں ریگ کے ذروں کی درخشاں ہے
 وہ جہاں آم کے پیڑوں کے تلے پانی ہے
 جانے کس سوچ میں ہیں غرقِ تحسیر بگلے
 وہ جہاں بیٹھے ہیں گردن کو جھکائے بگلے

مکتوبِ گہنا

چُن رہا ہوں تری خاطر چمنِ شوق کے پھول
اے حسینہ! مری تسلیمِ محبت ہو قبول
جانِ شاعر! ترے مکتوبِ تمنا کی قسم
دل کا کچھ اور ہی عالم ہے خلافتِ معمول
مجھ سے پوچھے کوئی بتیابیِ فرقت کے روز
تجھ سے سیکھے کوئی تسکینِ محبت کے اصول
قاصدِ ناز نے مدت میں جو پہنچا یا تھا
شوقِ بے تاب نے اُس خط کو کیا بڑھکے وصول
ہائے یہ طرزِ مخاطب کہ لکھا ہے مجھ کو!
دل کی دنیا کے خدا مشربِ لفت کے رسول

ہائے کس طنز سے تحریر کیا ہے تو نے
ایک شاعرِ روشِ مہر و وفا کیا جانے

اپنے ہی حالِ پریشاں سے نہ فرصت ہو جسے
 غیر کے حالِ پریشاں کو بھلا کیا جانے؟
 اک سخنِ سنج - بجز فکرِ سخن کیا سوچے
 اک اداکار - بجز حسنِ ادا کیا جانے؟
 جانِ من ! تجھ کو ڈرایا ہے کسی دہمی نے
 کھو دیا آہِ محبت کی غلط فہمی نے

اے حسینہ ! یہ محبت ہے وہ زندہ جادو
 کہ ہر اک نقش کو جاوید بنا دیتی ہے
 بادشاہوں کو جھکاتی ہے فقروں کے حضور
 تاجداروں سے غریبوں کو لڑا دیتی ہے
 قلبِ شعلہ سے بہاتی ہے کبھی چشمہٴ شیر
 روحِ قطرہ میں کبھی آگ لگا دیتی ہے
 روح بے رنگ ہے زخموں کی حکایت کے بغیر
 ورقِ سادہ ہے دلِ نقشِ محبت کے بغیر
 روپِ دنیا میں محبت کے جدا گانہ ہیں
 کبھی تسخیرِ انا ہے کبھی عرفانِ ثاب

کبھی انساں کو بتاتی ہے تفکر کے نکات
 کبھی شاعر کو سکھاتی ہے جنوں کے آداب
 سازِ ایثار و صداقت کا یہی ہے نغمہ
 نغمہ عزم و شجاعت کو یہی ہے مضراب
 موڑ دیتی ہے یہ آوارہ تخیل کی عناں
 چھیر دیتی ہے یہ خوابیدہ تصور کا رباب
 روحِ مردہ کو محبت میں عطا ہوتا ہے
 ذوق و شوق و پیش و سوز و گداز و تب و تاب
 حُسنِ خود ہیں! ترے وجدان و بصیرت کی قسم
 میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم



؟

پھر کسی غم میں گرفتار نظر آتی ہو
 کیوں کئی روز سے ہزار نظر آتی ہو
 کیا کسی شوخ سہیلی نے تمہیں ٹوک دیا
 یوں جو محبوب و دل افکار نظر آتی ہو
 کس کی فرقت میں پریشان ہیں تمہارے گیسو؟
 ہجر میں کس کے عزادار نظر آتی ہو؟
 کس نے تجدیدِ محبت کی جہارت کی تھی
 میں نہیں۔ تم بھی خطا وار نظر آتی ہو
 تھا غمِ حشر کا پہلے فقط استدار مجھے
 تم بھی اب مائلِ استدار نظر آتی ہو
 میرے اظہارِ محبت کا اثر دیکھ لیا
 تم بھی آمادۂ اظہارِ نظر آتی ہو
 میں تمہاری روشِ لطف و ستم دیکھ چکا
 تم ہر اک رنگ میں دلدار نظر آتی ہو

میں تمہارا اثر فہرستِ دُکرم جانچ چکا
 تم بہر حال فسوں کا رُ نظر آتی ہو
 تم سمجھتی ہو کہ ہر قید سے آزاد ہوں میں
 مجھ سے پوچھو تو گرفتار نظر آتی ہو
 زندگی خونِ تمنا ہے مگر تم مجھ کو
 محوِ رنگینی افکار نظر آتی ہو !
 دیو زادوں کی یہ دنیا ہے اور اس دنیا میں
 تم بہت نازک و خود دار نظر آتی ہو
 صرف ماحول ہی کیا صرتِ دیات ہی کیا ؟
 خود سے بھی برسرِ پیکار نظر آتی ہو
 برہمی کا نہ کرو عذر کہ اس عالم میں
 اور بھی مجھ کو طرح دار نظر آتی ہو

ہاں۔ تو اس بات کا اب تک نہ بلا مجھ کو جواب
 کیوں کئی روز سے بیزار نظر آتی ہو



امرے حیات

جھلملانے لگے گردوں پستاروں کے چراغ
آمرے چاند کہ میں تجھ کو درخشاں کردوں
رات تاریک ہے اے شمع شبستانِ جمال
تیرے جلوؤں سے نگاہوں کو چراغاں کردوں
صبح صادق ہے ابھی دُور۔ مناسب ہے یہی
تیرے عارض سے نئی صبح نمایاں کردوں
آج تو وقت کی رفتار کو دیکھیں ہنسکت
آج تو نظمِ مشیت کو پشیمان کردوں!
گل سے پہلے ترے رخسار کو دوں حکمِ شگفت
صبح سے قبل تجھے چاک گریباں کردوں
چوم کر تیرے خدو خال کو لے جان بہار
آ کہ سرتابہ قدم تجھ کو گلستاں کردوں!

آج تو زمزمہ سنجان سحر سے پہلے
میں تجھے زمزمہ پیرا و غزل خواں کر دوں

آج تو صبح بہارِ دیگل تر سے پہلے
صفتِ غنچہ نور کس تجھے خنداں کر دوں!

آ کہ ان چمپئی بانہوں کا سہارا لے کر
شکریاں کو مغلوب و گریزاں کر دوں
آ کہ اس نادکِ مرگاں کی بلائیں لیکر

سینہِ عزم کو ہلاک سر پیکاں کر دوں
آ کہ ان سر ملکیں آنکھوں کی قسم کھا کر

دیدہ زہرہ و ناہید کو حیراں کر دوں
آ کہ ان شکریں ہونٹوں کا مزہ لے لے کر

غرقِ صہبائے طرب تلخیِ دُوراں کر دوں

دیکھ پردے سے ہیں تاک رہی ہے شبِ بنم
گر مئی شوق سے تجھ کو عرقِ افشاں کر دوں

دیکھ اوپر سے ہیں جھانک رہے ہیں تارے
تیری افشاں کے ستاروں کو فرزاں کر دوں!

صبحِ فرقت سے بدل جائے نہ یہ شامِ وصال
 آ کہ رُخ پر تری زلفوں کو پریشاں کر دوں
 آ۔ ذرا اور قریب اور قریب اور قریب
 کہ ذرا اور قوی ربط تن و جاں کر دوں
 تیری مستی میں ابھی ہوشِ خودی باقی ہے
 آ۔ تجھے اور بھی وارفتہ مری جاں کر دوں
 تیری آنکھوں میں ابھی عکسِ حیا لہزاں ہے
 آ۔ تجھے اور بھی ستوخ اور بھی نازاں کر دوں
 دینِ دول کا ہے تقاضا کہ ترے قدموں پر
 کافرہ! دل ہی نہیں دین بھی قرباں کر دوں
 میں کہ رضوانِ تمنا ہوں اجادت ہے کہ آج
 تیرے آغوش کو فردوسِ بدایاں کر دوں
 آ کہ بے ہر عجز و یزوں کو پریشاں کر دیں
 آ کہ بد بختِ حریفوں کو پشیمان کر دوں

بے مہینہ

سادن میں ہے کچھ اور ہی مستی کا قرینہ
 ڈرے کہیں کا فرق بنادے یہ مہینہ
 یہ شامِ تمتنا میں کسی عہد کی تکمیل
 یہ بسترِ عشرت پہ کوئی شوخِ حسینہ
 یہ حلقہ کا کل میں چمکتے ہوئے عارض
 یہ چاک گریباں سے جھلکتا ہوا حسینہ
 ہر لمحہ بگڑنے میں سنورنے کا تقاضا
 ہر لحظہ سنورنے میں بگڑنے کا قرینہ
 اللہ وہ نگہت وہ گل و غنچہ وہ شبہم
 اللہ وہ گیسو وہ لب و رخ وہ پسینہ
 بے لفظ سی باتوں میں معانی کا اشارہ
 بے ربط سے جملوں میں نموداری کا قرینہ

الفاظ کہ صنعت گری شوق کے موتی
 سینہ کہ ہم آغوشی مستی کا دھیند
 وہ رات وہ ہر سات وہ جذبات وہ لمحات
 وہ وقت وہ ماحول وہ خلوت وہ حسینہ
 بڑھتا ہوا طوفانِ ہوس درجہ بدرجہ
 چڑھتا ہوا سیلابِ طلبِ زینہ بہ زینہ
 دوہم نفس و ہم سُخن و ہم دم و ہم راز
 وہ رُخ بہ رُخ و لب بہ لب و سینہ بہ سینہ !
 وہ اک بُتِ خود بین و خود آرا کی پرستش
 وہ عالمِ عصیاں کی عباداتِ شبینہ
 کل کیا ہو تو "کل" سے نہ کوئی خوف نہ پروا
 یہ کیوں ہے تو کیوں سے نہ کوئی بغض نہ کینہ
 بہتر ہے اگر خستم و فاس ہے یہ ملاقات
 اچھا ہے اگر ڈوب رہا ہے یہ سفینہ
 یہ دولتِ یک شب مجھے کافی ہے اگر کل
 لٹا ہے تو لٹ جائے دو عالم کا خزینہ

معذرت

کوشش نامہ و پیغام بجا ہے لیکن
فرصت نامہ و پیغام کہاں سے لاؤں
خواب ہر مست کی راتیں پیش شوق کے دن
اے مے شوخِ دل آرام کہاں سے لاؤں
مقتلِ مہر و وفا ہیں یہ شبِ دروِزِ حیات
زلف و رُخ کے سحر و شام کہاں سے لاؤں
ساری دنیا مجھے بے تاب نظر آتی ہے
میں ترے واسطے آرام کہاں سے لاؤں
جس طرف دیکھے ویرانی سی ویرانی ہے
شوقِ تریزینِ درو بام کہاں سے لاؤں
زہرِ خوں نابہ ہستی ہے مے ساغریں
مے دوستی کا کوئی جام کہاں سے لاؤں

تو ہی کہہ دے کہ تری نذرِ عقیدت کے لئے
عاشقی کی ہوسِ خام کہاں سے لاؤں

تو ہی بتلا کہ ترے عارضِ رنگیں کے لئے
شکنِ زلفِ سیہِ نام کہاں سے لاؤں
مجھ کو ملتی نہیں ڈھونڈے سی کہیں جنسِ بہار
اے مرے شوخ گلِ اندام کہاں سے لاؤں
جنگ و تخریب سے کچلی ہوئی اس دنیا میں
امن و تعمیر کے پیغام کہاں سے لاؤں
میرے افکار کی پستی پہ بگڑنے والی
مستیِ حافظ و خیام کہاں سے لاؤں
عصرِ حاضر کے حوادث کا ابھی ہے آغاز
خبرِ عہدِ خوش انجام کہاں سے لاؤں
تو مرے ساتھ نہ چل لے مری ہمراہِ سفر!
منزلِ تازہ بہ سرگام کہاں سے لاؤں

لاکھ ہوں بندہ بے دام پر انصاف ہے شرط
دل لگانے کے لئے دام کہاں سے لاؤں

زخم کاری

بھول سکتا ہے کوئی یہ زخم کاری ہائے ہائے
وہ بچھڑتے وقت تیری بے قراری ہائے ہائے
وہ تری پلکوں پہ اشکوں کے ستاروں کا طلوع
بے خودی میں وہ مری اختر شماری ہائے ہائے
وہ ترے شاداب رخساروں پہ روی کی جھلک
وہ مرے زخمِ جگر کی لالہ کاری ہائے ہائے
وہ ڈھلک جانا ترے سر سے دوپٹہ بار بار
باوجودِ استہم پردہ داری ہائے ہائے
دل میں ہر کن بنض میں سستی رگوں میں سنسنی
وہ مزاجِ ناز کی ناساز گاری ہائے ہائے
خود اُلجھنا۔ خود مچلنا۔ خود ٹرپ جانا ترا
بے بسی۔ نا طاقتی بے اختیاری ہائے ہائے

جان سے بہزار جی سے تنگ۔ جینے سے خفا

ناامیدی اور ناامیدواری ہائے ہائے

سر جھکا کر دیر تک وہ دم بخود رہتا تھا

سراٹھا کر پھر وہی مسریادواری ہائے ہائے

خودشی کا ذکر مرگ ناگہاں کا تذکرہ

دونوں جانب آرزوئے جاں پاری ہائے ہائے

وہ ترا کہنا کہ کیا میرے چلے جانے کے بعد

ختم ہو جائے گی رسم دوستداری ہائے ہائے

میری خاموشی پہ وہ اصرار سے کہتا تھا

میں تمہاری ہوں تمہاری ہوں تمہاری ہائے ہائے

ہائے یہ وعدہ کہ میں پھر لوٹ کر آ جاؤں گی

اور اس وعدے پہ تیری شکبازی ہائے ہائے

وہ عزیزوں کی شکایت وہ زمانے کا گلہ

پھر وہ پیمان وفا کی استواری ہائے ہائے

وہ کبھی رونا، کبھی خاموش ہو جانا تھا

شوق وصل و بیم ہجران باری باری ہائے ہائے

وہ مرا کہنا کہ دل کچھ مضطرب ہے آہ آہ
 وہ ترا کہنا کہ جی ہے بھاری بھاری ہائے ہائے
 وہ مرا کہنا کہ ضبطِ عزم ہے مشکل کیا کروں؟
 وہ ترا کہنا کہ قسمت ہے ہماری ہائے ہائے
 وہ تیری رخصت کا دن وہ شام کی بوجھل فضا
 وہ درودِ یواری پر اک ہول طاری ہائے ہائے
 اُت وہ سناٹا کہ جیسے شہرِ خاموشیاں کی رات
 ادراکِ تدھم سا شورِ آہِ دزاری ہائے ہائے
 مجھ سے رو رو کر وہ تیرا پوچھنا کیا وقت ہے
 وقت کا وہ شکوہ تا سازگاری ہائے ہائے
 دوپہر ڈھلتے ہی چہرہ زرد پڑ جانا ترا
 پھر نئے سرے نئی اک بقیاری ہائے ہائے

لے کر اپنے سرد تر ہاتھوں میں میرا دستِ سرد
 گرم جوشی کی ادائے اضطرابی ہائے ہائے
 سُرخ سُرخ آنکھوں سے ننھے ننھے آنسو پوچھ کر
 پھر مجھے تاکیدِ ضبطِ اشک باری ہائے ہائے

جاتے جاتے بھی وہ باتیں آہ وہ باتیں تیری
 ہلکی ہلکی۔ میٹھی میٹھی پیاری پیاری ہائے ہائے
 وہ مری آنکھوں میں عکسِ نیم جانی الاماں
 وہ ترے چہرے پہ رنگِ سوگواری ہائے ہائے
 وہ مے ہونٹوں پہ کچھ بے ربطِ جملے الغیث
 وہ ترے لب پر سکوتِ غم گساری ہائے ہائے
 اے سکونِ دل۔ وہ تیری دلنوازی الاماں
 اے شریکِ غم۔ وہ تیری غم گساری ہائے ہائے
 ہاں وہ تیرا وعدہ محکم۔ وہ میرا عہدِ شوق!
 پھر وہ تیرا شکوہ بے اعتباری ہائے ہائے

وہ گلے مل کر ترا جانا بہ تجیلِ تمام
 یہ صدا سن کر کہ حاضر ہے سواری ہائے ہائے



..... کا خط

خدا کرے کہ مری عرض ناگوار نہ ہو
اسے نہ زینتِ لفظ و بیاں کہے کوئی
مرا کلام ہے خود شکوہ سنج ناکامی
مجھے نہ شاعرۂ نوجواں کہے کوئی
میں اپنے سازِ شکستہ کی ہوں صدائے شکست
مجھے نہ مطربِ خوش بیاں کہے کوئی
یہ کیا ضرور کہ اک غنچہٴ فرودہ کو
بہارِ خلد و گل گلستاں کہے کوئی
مجھے سہج نے رکھا نہیں کسی قابل!
مجھے نہ ملکہٴ نورِ جہاں کہے کوئی
یہاں کسی کی کہانی کوئی نہیں سنتا
عبثِ فناء سوزِ نہاں کہے کوئی
نہیں اجازتِ شکوہ بشکستہ حالوں کو
خدا کے واسطے چھیڑو نہ مٹنے والوں کو

.....کو جواب

نہیں نہیں تجھے عظمتِ نشاں بناؤں گا
بہارِ گلِ کدہِ جاوداں بناؤں گا
جسے بہار نے اپنے لہو سے سینچا ہے
میں اس چمن میں تجھے حکمراں بناؤں گا
نہیں نہیں غمِ ہستی سے تلخ کام نہ ہو
تجھے میں طوطیِ شکرِ نشاں بناؤں گا
جہاں جاں ہے ترا التفاتِ جانِ رئیسِ
اس التفات کو جانِ جہاں بناؤں گا
اگر یہی ہے محبت کی سحرِ تاثیر !
میں تجھ کو ساحرہٗ نوجواں بناؤں گا
اگر یہی ہے مری نظم کی جہاں گیری
میں تجھ کو ملکہٗ نورِ جہاں بناؤں گا
وہ ابتداءِ محبت کا عہد یاد تو کر
خدا کے واسطے تو مجھ پہ اعتماد تو کر

حُذْر و حَرَض

میں تمہارے در پہ اے سلطانِ حسن و جمال
 سر کٹا سکتا ہوں لیکن سر جھکا سکتا نہیں
 میری دنیا میں نہیں رنگین خوابوں کا وجود
 میں تمہیں خوابوں کی دنیا میں بُلا سکتا نہیں
 تم مجھے معمورۂ الفت میں مل سکتی نہیں!
 میں تمہیں ویرانۂ وحشت میں پاسکتا نہیں
 حسنِ نازاں سے بھی نازک تر مزاجِ عشق ہے
 میں تمہارے واسطے آنسو بہا سکتا نہیں
 خاک کے افسردہ ذروں پر ہی میری دسترس
 میں تباہی توڑ کر گردوں سے لاسکتا نہیں
 تم مرے جوشِ جنوں کی داد دے سکتی نہیں
 میں تمہیں بازو بچہِ وحشت بنا سکتا نہیں!

لاکھ قربت ہو مگر تم تک رسائی ہے محال
 لاکھ اپناؤں مگر اپنا بنا سکتا نہیں

ابے کھائے؟

ہم سے جب تک دوستی کے حق ادا ہوتے رہے
التفاتِ خاص کے وعدے وفا ہوتے رہے
زندگی میں نوبہ نو تبدیلیاں آتی رہیں
دل نئی کیفیتوں سے آشنا ہوتے رہے
دوؤں جانب ذوق و شوقِ مدعا کے باوجود
جمع کچھ اسباب ترکِ مدعا ہوتے رہے
بعض فتنوں سے بظاہر سنا کرنا پڑا
بعض ہنگامے پس پردہ بپا ہوتے رہے
پہلے پہلے ایک منزل تھی مگر انجامِ کار
راستے آہستہ آہستہ جدا ہوتے رہے
اب کہاں باقی وہ آشفۃ مزاجی عشق کی
جب تک اُن سے ربط تھا ہم بھی خفا ہوتے رہے

پیما بھار

شیم گیسوئے مشکین یار لائی ہے
صبا اڑا کے پیما بہار لائی ہے
کسی عروسِ شہستان الف لیلا کا
چرا کے اک نفسِ مشک بار لائی ہے
جو رہروانِ طریقِ طلب ہیں اُن کے لئے
غبارِ منزلِ شہرِ نگار لائی ہے
کہو کہ دیدہ و دل کے لئے شیم سحر
پیما غمزہ عالمِ شکار لائی ہے
کہو کہ خسرینِ جاں کے لئے شیم بہار
سلامِ شعلہ و برق و شرار لائی ہے
جو زائرینِ حریم و فاہین اُن کے لئے
نوبیرِ رحمتِ پروردگار لائی ہے

وطن کی یاد کسی بے دیار کی خاطر
کہیں سے مژدہ اہلِ دیار لائی ہے



اُبھری وہ صبح - صبح گلستاں کہیں جسے !
نُبھری وہ شام - شام چراغاں کہیں جسے
وہ صبح - صبح مستی دے خانہ جس کا نام
وہ شام - شام جلوہ و جاناں کہیں جسے
وہ صبح - صبح عارضِ انور کا جس میں حسن !
وہ شام - شام زلفِ پریشاں کہیں جسے
وہ صبح - شام وصل کی جس میں لطافتیں
وہ شام - صبح دید کا ارباں کہیں جسے
لہر رہی ہے دوشِ طلب پر وہ زلفِ ناز
مجموعہ خیالِ پریشاں کہیں جسے
بے ساختہ وہ بوٹ و عارض کا اتصال
رابطِ نسیم و سنبُل و ریحاں کہیں جسے

صد شکر آج روح میں ابھری ہے وہ چھپن
 یاران کم نظر خلش جاں کہیں جسے
 صد شکر آج تلب میں جاگی ہے وہ لگن
 کچھ بد مذاق سوزش پنہاں کہیں جسے
 سینے میں جلوہ گر ہے کوئی عکس دلنواز
 اہل نگاہ جلوہ جاناں کہیں جسے
 چہرے سے آشکار ہے اک رنگ اضطراب
 ارباب ذوق - شوق فراواں کہیں جسے
 آخر رواں ہوا ہے سفینہ حیات کا
 اُس بحر آرزو میں کہ طوفاں کہیں جسے
 اب کاروان گل ہے حدودِ بہار میں
 گزرا وہ مرحلہ کہ بیاباں کہیں جسے
 آخر زبانِ حال نے سیکھی وہ خاموشی
 جانِ کلام و نطق سخنِ داں کہیں جسے
 آخر سکوتِ شوق نے کر لی وہ گفتگو
 انسانِ حیات کا عنوان کہیں جسے

آفرنگاہِ ناز نے چھیڑا وہ تذکرہ
 جب ریل کی تلاوتِ قرآن کہیں جسے
 اللہ! صبح و شام ملاقات کا وہ کیف
 کیفیتِ حیاتِ گریزاں کہیں جسے
 نذرِ غزلِ شبِ افسانہ ہے یہ نظم
 جانِ غزل نہیں غزلِ جاں کہیں جسے



رعنائی چمن کے نگہیاں ہمیں تو ہیں!
 اے جانِ گل! بہارِ بہاراں ہمیں تو ہیں
 اے عشقِ ہم سے ہے تیرے تابِ حیاتِ عشق
 جاناں! حریفِ جلوہ جاناں ہمیں تو ہیں
 کیوں ہم پہ عہدِ گل کو نہ ہونا اے رسی
 شاہد ہے شاخِ گل کہ غزلِ خواں ہمیں تو ہیں



ملاقاتِ تہ رات

عمرِ جاوید کا حاصل تھی ملاقات کی رات
جب وہ کا فر مرا مہمان رہا رات کی رات
ستمج و پروانہ میں وہ رابطہ مہر و خلوص
حسن اور عشق میں وہ رمز و کنایات کی رات
عالم شوق میں وہ مشغلہ راز و نیاز
خلوتِ ناز میں وہ شکر و شکایات کی رات
سردِ خاموش فسون کا رہسہانی رنگیں
ہائے وہ پیار کی رُت ہائے وہ برسات کی رات
چاند سے چہرے پہ وہ زلفِ سیہ کے حلقے
اُن وہ جلوؤں کی سحر آہ وہ ظلمات کی رات
سایہ زلف میں رُخ پہ وہ عرق کے قطرے
شبِ نیمِ حسن سے بھیگی ہوئی جذبات کی رات

ایک مجبورۂ افکارِ عقیدت کے حضور
 سجدۂ و توبہ و تسبیح و مناجات کی رات
 الف لیلہ کی پُر اسرار کہانی تھی کوئی
 اک پریراد سے وہ حزن و حکایات کی رات
 دونوں جانب پیشِ دل سے قیامت کا سکوت
 نہ سوالات کی مہلت نہ جوابات کی رات
 وقت اور وقت بھی لطف و کرم خاص کا وقت
 رات اور رات بھی اک رندِ خرابات کی رات



مدّتوں کے بعد پھر دیکھا کسی کو خواب میں
 مدّتوں کی ناپشیمانی پہ ٹہراتے ہوئے
 اپنی بے جا رنجشوں کا ذکر فرماتے کے بعد
 میرے ضبطِ شوق کی تعریف فرماتے ہوئے
 مست ہو کر مجھے بد مست کرنے کے لئے
 خود بخود گزری ہوئی باتوں کو دہراتے ہوئے
 پھر وہ پہلو سے نکل جانا کسی کالے ریشی
 سرگزشتِ خواب کو اک خواب بتلاتے ہوئے

پورٹریٹ ڈاکومنٹ فارمیٹ: عقیل عباس

[HTTPS://WWW.FACEBOOK.COM/GROUPS/MAZEEDKITABEN/](https://www.facebook.com/groups/MAZEEDKITABEN/)